منظور شدہ محکمہ تعلیم، سرکلر نمبر ۲۵۲۳۴/۵-۳۴ بی۔ٹی۔بی۔این (صفحہ ۱۵/۴۴)

لدعوة الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۷

ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

اپریل ۱۹۶۶ء

فی پرچہ پچاس پیسے

غیر ممالک سالانہ ۱۶ شلنگ

کتابت: اصغر حسن

فہرست مضامین

سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم و تحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمۂ خلائی تحقیقات نے لونا نہم ۹ کو سطحِ چاند پر اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں پھر چند دن بعد زہرہ سیارہ پر بھی کمند ڈالنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک اڑھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظامِ شمسی کے اس دوسرے سیارہ زہرہ کی مسافت (بقول سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے۔ موجودہ دور جو اپنے طبعی تحقیقات، علمی و فنی ایجادات اور اکتشافات کے لحاظ سے بجا طور پر تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ اسے اکتشافات و ایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس محیر العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور اکتشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابلِ فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے وہاں بعض حلقوں میں اس پر حیرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا عمیق مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض سطحی اذہان شکوک و شبہات کے شکار ہوئے کہ سائنس کے ان نت نئے اکتشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربوں میں اسلام کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیرِ کائنات کی یہ لامتناہی کامیابیاں اور یہ برق رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں۔؟ اور اس عالمِ کائنات و مادیات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا متوارث نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو انکشاف اور تسخیر کے کسی کارنامہ سے جوڑ نہ کھاتا ہو۔؟

آج کی فرصت میں ہم ایک مخصوص تنقیدی نقطۂ نگاہ سے تسخیرِ کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں

کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف ان شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ۔ اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساس کہتری کا ازالہ بھی ہو جن کے شکار بعض حضرات ان کارناموں کی پُرفریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان اسلامی اذہان وقلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی ٹکراؤ اور تصادم کے خدشات اور وساوس کا تعلق ہے۔ عقل وفہم کی اس کج روی اور فہم ونظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے۔ کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے دائرۂ کار اور حدود رفتار کا تعین نہیں ہو سکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس وتحقیق اور علم وانکشاف کا سروکار اس عالم محسوسات وماديات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس ومشاہدات میں آسکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات سے وراء الوراء ہے وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے۔ جہاں تک ہمارے عقل وادراک اور احساس وشعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔ مذہب ہمارے ان سوالات اور گتھیوں کے حل پیش کرتا ہے۔ جس کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم وشعور کی طاقتیں واماندہ اور درماندہ ہو جاتی ہیں۔ عالم کی حقیقت کیا ہے۔؟ اس کارخانہ ہست وبود کی یہ ہنگامہ آرائیاں کہاں جا کر ختم ہوں گی۔؟ اس عالم آب وگل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کیلئے ہے؟ پھر اس کائنات کی وہ جوہری ہستی جسے ہم "انسان" کے نام سے پکارتے ہیں جسم ومادہ کے اس کارخانہ اور قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض وحاوی ہے۔! اور بالآخر تسخیر وغلبہ کی یہ قوت وطاقت جسم وخون سے بنے ہوئے اس "عالم اصغر" (چھوٹے عالم) انسان کے ہاتھوں کیوں اور کس مقصد کیلئے ودیعت کی گئی ہے۔؟ عقل وفکر ان سوالات کے جواب دینے سے قاصر ہے۔۔۔۔

سائنس وتحقیق کا عالم انسانی جبلت کے ان فطری مطالبات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اسے خود اپنی عجز ودرماندگی کا اعتراف ہے۔ اور اکتشاف وانکشاف کی اس دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی، اور موجد اسباب ومسببات کے معمے حل کرنے والا بڑے سے بڑا محقق، بانگ دہل اپنے قصور اور لاعلمی کا اعلان کر رہا ہے کہ:

"کائنات کے آغاز وانجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا دائرہ کار ان دونوں

سے الگ الگ ہے۔" (فرانس کا مشہور ماہر سائنس پروفیسر کیتر)

علمی دنیا کا ایک دوسرا شہسوار جے ڈبلیو این سلیون کتنی صفائی سے اقرار کرتا ہے کہ زندگی جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے۔ سائنس اسکی کیفیت و نوعیت اور ماہیت و آغاز کے ادراک سے قاصر ہے۔ :

"اور انسان کے گہرے مسائل سائنس کی سرحد سے باہر واقع ہیں۔ سائنس تو محض ایک ابتدائی کوشش ہے۔ اور اسکی تمام "سچائیاں" مشروط ہیں۔ (برہان ص ۱/۲)

مسٹر ایچ جی ویلز لکھتا ہے کہ :

"بہت سے سائنسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق کوئی قطعی علم حاصل نہ ہو سکا۔"

تھامس ہنری ہکسلے مزید وضاحت سے عقل و سائنس کے اس بے دست و پا ہونے پر روشنی ڈالتا ہے :

"جب ہم پچھلے زمانہ کی طرف مڑکر دیکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے آغاز کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا اور ہم اس ظہور کی کیفیت پر قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔"

انہی کے ہم نام جولین ہکسلے کو اقرار ہے کہ :

"ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جہاں تک سائینٹفک تحقیقات کا تعلق ہے۔ ہمارا علم صرف مظاہر کی تشریح اور ترجمانی کرتا ہے۔ سائنس کی حقیقت آزادانہ تحقیقات اور تجربات میں مضمر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اصول و مبادی غیر متغیر ہیں۔ اس میں حذف و اضافہ و ترمیم کا ہر وقت امکان ہے۔ (برہان ص ۲۴ ج ۶ ش ۱)

ہکسلے کے اس قول کے خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ استدلال و فلسفہ کی بنیاد پر کھڑے کئے گئے اصول و مبادی کتنے کمزور اور بے تمکین ہوتے ہیں۔ پھر زندگی کے فطری سوالات اور حقائق کی رہنمائی ان تغیر پذیر نظریات و مبادی سے کسطرح ممکن ہے؟

سائنسی اصول و نظریات کی یہی بے ثباتی اور کمزوری ہے کہ جب بھی سائنس کی دنیا میں کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارہ میں سوچا گیا تو اس کی بنیادوں میں تزلزل پیدا ہوا۔ جہل اور لاعلمی کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور اعلان کیا گیا کہ :

"ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے ہم صرف کمیت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کیفیت کا نہیں۔ (پروفیسر کیلر برہان ج ۶ ش ۱)

پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کیلئے گھڑی کی مثال دیکر سائنس کے حدود اختیارات کا [illegible]
اور کہا کہ :

"بجنسہٖ یہی حال واقعات و حوادث فطرت کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کارفرما ہے۔ اور ایک خزانہ قوت ہے۔ جو اس مشین اور ذخیرۂ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ واقعات و حوادث انہی دونوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانۂ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے؟ یہ کیسے بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کوکا — ؟ اور اسکی چلانے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔"
(الدین القیم صف۲)

لاریب کہ عالم سائنس کے یہی شہباز آج خلا کو مسخر اور نظام شمسی کے بڑے سے بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں۔ مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور پانے سے خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر میں انسانی دماغ ہے۔ گو یہ نہیں اس کے تسلی بخش حل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس، اختراع اور ایجاد کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی ——— اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ :

"سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اوّل تا آخر بتائے جا سکتے ہیں کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی تاویل و توجیہہ میں آغاز اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکا" (ہکسلے)

اسی ہکسلے نے عالم سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلۂ علت و معلول انرجی الیکٹرون سالمات (اجزاء لاتتجزیٰ) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی کھپا دی۔ مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور عقل نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد اسے برملا اپنی کتاب "اصول و نتائج" میں اعتراف کرنا پڑا کہ :

"وجود کی علت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قویٰ کی دسترس سے باہر ہے۔ اس باب میں حتمی لایعنی ہرزہ سرائیاں پڑھنے کا موقعہ مجھے ملا ان میں سب سے بدتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغاز عالم کے متعلق موشگافیاں کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے بہملات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے" (بحوالہ الدین القیم)

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے غیب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس

کی درماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں اور سوالات سے اس کے فرار و گریز پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے۔ کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا جدا ہیں۔ ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحب دل عالم نے کہ:

"اگر خشکی کی ٹرین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔"

غرض آج جن لوگوں کو سائنسی کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور لرزتی معلوم ہورہی ہیں۔ یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے ؎

برچہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں سائنس ہمیں بے یار و مددگار ظلمات بعضہا فوق بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے عالم جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہوجاتی ہے۔ ٹھیک وہاں سے اقلیم مذہب کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔ جسکی پہنائیاں لامحدود ہیں۔ اور جسکی وسعتیں علم و ہدایت، فکر و فہم، عقل و خرد کے تمام خزانوں کو سمیٹی ہوئی ہیں۔ یہاں ظلم و جہل تام کی کوئی شے موجود نہیں، نور ہی نور ہے۔ علم حقیقی کی ضیا پاشیاں اور قدرت و فطرت کے اٹل اصول اور لازوال مبادی کی فرمانروائیاں ہیں۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سرحد پر محسوسات و مشاہدات کا علم ہمیں حیران و سرگردان چھوڑ کر الگ ہوجاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آکر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ ہمیں تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش کے مقاصد سے روشناس کرانا اور شکوک و شبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب و اذہان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالا مال کردیتا ہے۔ زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارہ میں انسانی رہبری کے بعد مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہیئے۔ اور قدرت نے تسخیر و غلبہ کی جو استعداد انسان کو دی ہے۔ اسے کن مقاصد میں لگانا چاہیئے۔؟ مذہب کہتا ہے۔ کہ مشاہدات و محسوسات کی یہ ساری کائنات اُن اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے۔ جس کی بنا پر عالم کے اس جرم صغیر "انسان" کو پوری کائنات پر سبقت دی گئی اسے اشرف المخلوقات یہاں تک کہ اسے "خلافت ربانی" کے آخری مقام عروج پر فائز کیا گیا۔ مذہب کہتا ہے کہ اس "زندگی" کو جس کے ادراک سے تمہاری سائنس و عقل قاصر تھی آخرت اور ایک ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اس طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی وہ فطری خواہشیں حقیقی معنوں میں پوری کردو جس کا ولولہ اور تڑپ تمہارے خمیر میں شامل ہے۔ مذہب ہمیں ہرگز ان

تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو ہماری سرشت میں قدرت کے دستِ فیاض نے رکھیں۔ وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو۔ تیز رفتار اور دیو ہیکل بے جان اجسام کو خلائی سیارہ، جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں دوڑا سکتے ہو۔ کائنات کے عناصرِ اربعہ کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ان کائنات سے ایٹمی توانائیوں کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگر شق کر دو اور خلا کی پہنائیاں چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے علاوہ زہرہ و ماہتاب اور نظامِ شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولانگاہ بنا دو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ــــــ

اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ دجالی تہذیب کے کامل ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صفت درجۂ کمال تک پہنچ جائے۔ تم بادل برساؤ اور مصنوعی صورتوں سے احیاءِ اموات پر بھی قادر ہو جاؤ ــــــ

مذہب اس دن کے انتظار میں ہے۔ کہ تم یہ سب کچھ کر سکو کہ اس کے بہت سے دعوؤں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی کارناموں پر موقوف ہے۔ اس طرح اخبارِ غیب اور رجالِ غیب کے وہ سارے دعوے اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں۔ جسے تم اپنے ماؤف دل و دماغ اور مفلوج ذہن کی بنا پر ناممکن اور محال سمجھتے تھے۔ وہ حقیقتیں اور خوارق عادات جس کا مظاہرہ اس کائنات کے خالق نے غیبی اسرار کی منادٖ شخصیتوں انبیاء و رسل کے ہاتھوں کرایا تھا۔ تم آج سائنس اور صنعت، راکٹ اور میزائل کے سہارے خلاؤں کے میدان میں اتر رہے ہو۔ ہم نے مان لیا کہ صدیوں کی کد و کاوش کے بعد آج تمہاری رسائی خلاء سے پار کی دنیا تک ہو رہی ہے۔ مگر کیا آج سے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں خلافتِ الٰہیہ کے سب سے عظیم مظہرِ انسان نے "محمد عربی فداہ ابی و امی" کی شکل میں عروج و پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں۔؟ ولقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطۂ معراج تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو چاند اور ستارے تو کیا آسمانوں اور ملکوتی کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا۔ جہاں دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور طاقتور ہستی جبریلِ امین کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ ملأ اعلیٰ کے اس اسراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ اس عالمِ مادیات و مشاہدات کی کسی

مادی قوت سے ان کی دستگیری کی۔ پھر یہ اسلام اور مذہب ہی تو تھا جس نے انسانی عروج و استیلاء اور معراج و ارتقاء کی ایسی جیتی جاگتی تصویر محمدؐ عربی کے معراج کی شکل میں صدیوں قبل دنیا کے سامنے رکھ دی۔ تسخیر کائنات کا اتنا قدیم تصور اور اس کے دائرہ امکان میں ہونے کی تعلیم کسی دوسرے مذہب نظریہ اور عقیدہ نے اس سے پہلے نہیں دی تھی۔ یہ غلامان تجربہ و سائنس اور بندگان عقل تو اب تک اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اور زندگی کی تمام حقیقتوں اور آغاز و انجام کے خدائی تقاضوں اور حکمتوں کی طرح اسکی بھی تکذیب کی۔ بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمہ۔
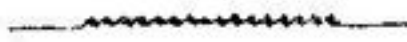
الغرض قدرت نے ہمیں پوری فیاضی سے اس کائنات سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا۔ کہ زندگی کے فطری سفر میں جو بھی رکاوٹ تمہارے سامنے آئے اسے زیر و زبر کر دو...... مگر ہاں! زندگی کے کسی لحظہ اور کسی ثانیہ میں اس حقیقت سے غافل مت ہو کہ تمہاری یہ تمام قوتیں اور توانائیاں کسی "غیر" کی کرم نوازیوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک ورار الوراء ہستی ہے جس نے تمہیں عقل و خرد کی نعمت سے نوازا اور تسخیر و تصرف کے یہ راستے سجھائے اس نے اپنی بے مثال فضل و کرم سے تمہیں عقل کی دولت دی استنباط و استخراج کی نعمت سے نوازا۔ جس کے ذریعہ تم کائنات کو اپنی جولانی اور تصرف کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہو۔ عقل انسانی اور شعور و ادراک کا یہ "جوہر" اسی کا عطا کردہ ہے جس کے ذریعہ تم عناصر اربعہ کی باہمی تحلیل و ترکیب کر کے طاقت کے لازوال خزانوں پہ قابض ہو گئے ہو۔ اگر اس کے فیض کرم کی کرشمہ سازیاں نہ ہوتیں اور اس نے اس قیمتی جوہر "عقل و فہم" سے تمہیں نہ نوازا ہوتا تو تم اس کائنات کی سب سے حقیر و ناتواں مخلوق ہوتے کہ اس کائنات میں عقل و خرد سے عاری مخلوق ہاتھی اور بیل وغیرہ جسم و ضخامت کے لحاظ سے تم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ پھر وہی رب ہی تو ہے جس نے عقل و خرد اور خلافت ربانی کی نعمتوں سے تمہیں نواز کر اس کائنات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔۔۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبت وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔	اور البتہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت دی اور خشکی و تری دونوں کی قوتیں اسکی تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں۔ اور اچھی چیزیں اسکی روزی کیلئے پیدا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں۔ ان میں سے اکثر پر اس کو برتری دی۔
ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔	اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین کے ہر چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا۔

غیب کی راہیں سمجھانے والا یہ آخری صحیفۂ غیب کہتا ہے کہ یہ تو خدا ہی ہے۔ جس نے انسان کو تمام مخلوقات کی حاکمیت عطا فرمائی اور سفلیات تو کیا عالم بالا کے شمس و قمر تک بھی تمہارے زیر کر دیئے ـــــ

اللہ الذی خلق السموٰت والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک تجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھر وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار واٰتاکم من کل ما سالتموہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار۔

اللہ وہ ہے جس نے بنایا آسمان و زمین اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور مسخر کیا تمہارے لئے کشتی کو کہ اس کے حکم سے دریا میں چلے۔ اور کام میں لگایا تمہارے لئے ندیوں کو سورج کو اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ساری مخلوقات سے زیادہ محتاج بنا کر بھی کائنات کی ہر چیز کو خواہ سفلی ہو یا علوی تمہاری بیگار میں لگا دیا ـــــ

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموٰت[۱] والارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ۔ (پ۲۱ آیت ۲۰)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ)

والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین

اور اس نے تمہارے لئے چار پائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم کرنیوالی پوشاک اور

۱؎ نیز ملاحظہ ہو ـــ وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی پ۲۳ ۔ وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ پ۲۱ آیت ۶۱۔ الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض والفلک تجری بامرہ پ۱۷ ع۶۵ وسخر لکم الانھار پ۱۳ وسخر لکم الیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذلک لآیت لقوم یعقلون پ۱۴ آیۃ ۱۲۔ وھو الذی سخر البحر (الی قولہ) لعلکم تشکرون پ۱۴ آیت ۱۴ ۔ وسخر الشمس والقمر کل یجری الی اجل مسمی وان اللہ بما تعملون خبیر پ۲۱

تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم	طرح طرح کے فائدے ہیں، اور ان میں سے
تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس	بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری نگاہوں
ان ربکم لرؤف رحیم (الی قولہ)	کیلئے جمال و زینت بھی ہے۔ جب تم انہیں
ویخلق مالا تعلمون۔	صبح و شام گھومنے پھرنے چھوڑتے ہو۔

اور یہی جانور تمہارا بوجھ ایک شہر سے دوسرے تک لے جاتے ہیں۔ کہ تمہارے بس میں وہاں پہنچنا تھا۔ مگر بڑی مشقت کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا شفقت اور رحم والا ہے۔ الخ
پھر وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ جنکی تمہیں خبر نہیں۔

کیا آیت بالا کا آخری ٹکڑا ویخلق مالا تعلمون انکشافات حاضرہ اور موجودہ دور کی نت نئی اختراعات کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔؟
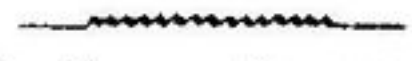
ان آیات بینات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے۔ کہ انسان کے یہ تسخیری کارنامے منشاء قدرت کے خلاف نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام تمہیں اس سے روکتا ہے۔ بلکہ جگہ جگہ تفکر اور تدبر و تفہم کی خاطر ہمیں اس کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر اور سیر فی الارض کی دعوت دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ ہم اس عالم مشاہدات کے انفسی اور آفاقی آیات کو اس کے خالق کی پہچان اور ان قوتوں کو اسکی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔ تمہاری یہ "خلانوردیاں" اسکی عظمت و قدرت کی پہچان کا ذریعہ بنی جائیں۔ اور ہر نئے انکشاف و اختراع اور ایجاد و ادراک کے وقت تمہارا رُواں رُواں اسکی کبریائی میں ڈوب جانا چاہیئے۔ کہ اس نے تمہارے آرام و آسائش کی خاطر نعمتوں کی ایک دنیا بسا دی۔ اب تمہارا فرض ہے۔ کہ اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے اسکی نعمتوں کو ٹھکانے لگا دو۔ یہ چاند اور سورج تو اس کے انعامات و اکرامات کا ایک ذرہ ہے۔ اور اسطرح اس عالم کا ہر ذرہ انسانیت کے ابدی فلاح، دائمی امن، اور بقاء کا وسیلہ بننا چاہیئے نہ کہ تمہاری یہ سائنس و تحقیق، اسکی عظمتوں سے غفلت و انکار، اور اسکی نافرمانی و سرتابی، اس دنیا کی مخلوقات پر ظلم و تعدی کا ذریعہ بن جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایجادات تمہاری بہیمی و حیوانی جبلت کی وجہ سے عالم کی تباہی و بربادی اور مخلوق کی ویرانی اور بربادی کا سبب بن جائیں ——— بلکہ

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے تو اپنے
وتقولوا سبحان الذی سخر لنا ھذا	رب کا احسان یاد کرو۔ اور کہو کہ پاک ذات

وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔ ہے وہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم ہرگز اسکو اپنے قابو میں نہ لا سکتے تھے، (اگر اسکی رہنمائی و مددگیری نہ ہوتی۔) بالآخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔

کذلک سخرناھا لکم لعلکم تشکرون۔ اللہ نے انہیں تمہارے لئے ایسا مسخر کردیا تاکہ تم شکر کرو۔

کذلک سخرھا لکم لتکبروا اللہ علی ما ھداکم۔ اس طرح انہیں تمہارے تابع کردیا تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت کی ——— (ترجمہ حضرت مولانا لاہوریؒ)

الغرض سائنسی کارناموں یا چاند اور سورج کی تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو۔ سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جو اقوال مشہور ہیں۔ وہ فلسفۂ یونان یا بطلیموسی علم ہیئت، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن و سنت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں، گذرگاہوں کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل و بروج پر تقسیم ہونا ثابت ہے۔ اکابرین اسلام میں حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر سمیت قنادیل معلقہ (لٹکے ہوئے فانوسوں) کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں[1] اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔

باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات وہی ہے۔ جو امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت واردات و تاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبیعاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالم سماوات و کواکب، عناصر اربعہ اور اجسام مرکبہ و مفردہ سے بحث ہوتی ہے۔) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئے کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ علوم غیب و حقائق میں بھی ان لوگوں کی مہارت کا یہی حال ہوگا وہ غلطی پر ہیں ———

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے ہیں تو دوسری طرف ان سطحی اذہان پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے

---

[1] النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملائکۃ۔ (روح المعانی ج ۱۳ ص ۱۵)

انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

الآفة الثانية نشأت من صديق للاسلام جاهل ظن ان الدين ينبغي ان ينصر بانكار كل علم منسوب اليهم فانكر جميع علومهم وادعى جهلهم فيها حتى انكر قولهم في الكسوف والخسوف وزعم ان ما قالوا خلاف الشرع فلما قرع ذلك سمع من عرف ذلك بالبرهان القاطع لم يشك في برهانه ولكن اعتقد ان الاسلام مبني على الجهل وانكار البرهان القاطع فيزداد للفلسفة حباً وللاسلام بغضاً ولقد عظم على الدين جناية من ظن ان الاسلام ينصر بانكار هذه العلوم وليس في الشرع تعرض لهذه العلوم بالنفي والاثبات ولا في هذه الامور تعرض للامور الدينية۔	طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض نادان دوست فلاسفہ اور علماء طبعیات کی ہر نئی دریافت اور نظریہ اور ان کے ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ طبعیات کے سلسلہ میں سورج گرہن چاند گرہن تک کے بارے میں ان کی باتوں کو خلاف شرع اور مذہب سے متصادم سمجھ کر ٹکرا دیتے ہیں۔ اس کا مضر پہلو یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات و انکشافات کی صداقت کے قائل ہوتے ہیں۔ اور مضبوط دلائل سے ان کے ہاں یہ چیزیں مسلّم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کا اعتقاد خود اسلام کے بارہ میں متزلزل ہو جاتا ہے۔ (اور معاذ اللہ) وہ سمجھ بیٹھتے ہیں، کہ اسلام

کی بنیاد جہل اور مشاہدات سے انکار پر ہے۔ پھر بجائے طبعیات کے انکار کرنے کے اسلام سے ان کی بدگمانی بڑھ جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں یہ بڑی جسارت ہے جن کا گمان ہے کہ اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ حالانکہ شریعت کو نہ تو ان اشیاء کا اثبات مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود اور نہ ان علوم و تحقیقات میں دینی اصول کو تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال للغزالیؒ ص۱۰)

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی بڑے سے بڑے کارنامے کا مذہب کے کسی پہلو پہ زد نہیں پڑتی۔ پھر اسلام جیسا دین فطرت ——! جو اپنے بنیادی اصول و ارکان روح اور مزاج اور مقاصد میں ذرہ بھر ترمیم و تبدیلی کا روادار نہیں۔ اس کے مبادی اور اغراض لافانی

اور اس کے احکام و قوانین اٹل ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہی ملت حنیفیہ سائنس و علم اور نظریات کے کسی چیلنج کو قبول نہ کرسکے وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں تمہارا یہ تگ و تاز مقاصد و مبادی اور انجام سے بے فکری کا باعث نہ بنے اور تم وسائل و ذرائع کو زندگی کا مقصد نہ ٹھہرا لو۔ یہ چیزیں بذات خود نہ خیر ہیں نہ شر۔ اگر تمہاری یہ تسخیری قوتیں عالم کی فلاح انسانیت کی باہمی خیر خواہی و ہمدردی حقیقت انسانی کی پہچان کا ذریعہ اور حصول آخرت کا وسیلہ بنتی ہیں تو ان کی خوبی کے کیا کہنے۔ اور اگر تمہارے یہ ایجادی و اختراعی کارنامے دنیا کے مختلف ممالک کی تباہی اور بربادی عالم کی تخریب کاری اور انسانیت کی پریشان حالی، ایک دوسرے کو مغلوب و مقہور کرنے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کا باعث بنتے ہیں[1] — اور جیسا کہ دو عالمی لڑائیوں سے لیکر اب تک ان اشیاء کے استعمال سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو تمہاری یہ سائنس و تحقیق اور یہ شبانہ روز کوشش صرف

---

[1] ہیروشیما کی دلدوز داستانیں کسے بھول ہونگی صرف ایک دن (۶ اگست ۱۹۴۵ء) کو صرف ایک بم سے جاپان کا یہ عظیم الشان شہر پیوند خاک ہو کر رہ گیا صدر میونسپلٹی کی رپورٹ کے مطابق اس ایک بم سے دو لاکھ چالیس ہزار افراد ہلاک ہوئے سینکڑوں میل تک فضا تابکاری ذرات سے زہر آلود ہوئی اور جس کی تاثیر سے بچے ہوئے لوگوں کا خون تحلیل ہوا انکے بال گرتے رہے اعضاء سکڑ گئے اور رفتہ رفتہ موت کے گھڑے میں جا گرے (ترجمہ ماخوذ انصر العالم) پچھلے ہفتہ فرانس کے مشہور رسالے پیرس مارچ میں اس تباہی کی ہلاکت آفرینی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ جنگ ۱۰ مارچ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ "دس لاکھ برسوں کی انسانی ترقی پر چند لموں میں پانی پھیر دیا گیا" یہی حال دوسرے شہر ناگاساکی کا ہوا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا آج کے بیس میگاٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پر گرایا جائے جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہو تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائے گی۔ برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیویارک جیسی گنجان آبادی پر یہ ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام ایسی دور مار میزائلوں کا دعوٰی کر رہے ہیں جس سے براہ راست چین اور روس کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ حکومت روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگاٹن ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا ہے جو روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی، اور فوجی مرکز کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے —— تہذیب جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں کی تعبیر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کی ہے

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی — موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

یہ حال تو ان چیزوں کے اختیاری اور ارادی استعمال کا ہے۔ غیر ارادی اور تکوینی طور پر ان چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال

اس جذبۂ حیوانیت اور درندگی کی تسکین اور اس وحشت و بربریّت کا ظہور ہے جو خدا اور نوامیسِ فطرت سے غفلت و انکار، مادیت کو منتہائے حیات بنانے کے بعد انسانی جسموں کو وحشی درندوں اور چوپائیوں سے بھی ذلیل وخوار بنادیتا ہے ۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل ۔ اگر تمہارا مقصد ان خلائی فتوحات سے زمین کے رہنے سہنے چین وسکون کو تباہ کرکے اپنے سامراجی اور حیوانی ارادوں کو پورا کرنا ہے ۔ تو کائنات کی ملکوتی طاقتیں تمہاری ان کامیابیوں پہ لعنتیں بھیجتی ہیں ۔ اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسماں باز پرداختی

پھر خدا کے نزدیک اس خلائی اور ایٹمی دور کے روشن خیال اور آدم نما "درندہ" سے قرونِ اولیٰ کا وہ "غیر مہذب" انسان ہزار درجہ بہتر ہے جو غاروں میں رہتا مگر اسکا دل انسانیت کے احترام وفلاح اور خدائی اقدار کی عظمت وتقدیس سے معمور تھا ـــــــ

واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

سمیع الحق

اس مضمون میں حسب ذیل کتابوں اور مضامین سے استفادہ کیا گیا ـــــ (سائنسی علماء کے حوالے مؤخر الذکر تین کتابوں سے ماخوذ ہیں ۔)

المنقذ من الضلال ـــــ للامام الغزالیؒ
ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ـــــ لابی الحسن الندوی
الدین القیم ـــــ للعلامہ الگیلانیؒ
اسلام اور اکتشافات حاضرہ ـــــ فارقلیط (مطبوعہ برہان ج ۷ ش ۱)

(حاشیہ صفحہ ۱۳ سے آگے)

کیا ہے؟ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے ایک دارالخلافہ ٹوکیو میں پے درپے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوئے ۔ دنیا کے مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے ۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز بحیرہ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا ۔ اسطرح اس درندگی وبہیمیت کو بھی نگاہ میں رکھئے جس کا مظاہرہ ویتنام کی نہتی انسانیت پر کیا جارہا ہے ـــــ ان ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر الفریڈ ایون نے جنگِ عظیم کے بعد کہا تھا "جنگِ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارہ میں میری اچھی توقعات کا خاتمہ ہوگیا ۔ میں نے دیکھا کہ وہی علوم وفنون اور انجنیری کی ساری حکمتیں جس سے انسان کی خدمت کی جاسکتی تھی الٹی اسکے حق میں دشمن بن گئیں اور اسکی وحشت وسنگدلی شقاوت اور بہیمیت میں ان آلات سے بدرجہا اضافہ ہوگیا ۔ تخریب وبربادی کے عظیم الشان انجن ہم جانوروں کے ہاتھ آگئے ۔" ان ترقیات کی نظر فریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر جوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی ۔ "کہ تم ہوائی جہاز کو فضائے انسانی پہ اڑتے دیکھ کر اس کے موجد کے عزم وہمت پر عش عش کرنے لگتے ہو مگر ذرا ان مقاصد کا جائزہ تو لیں کہ جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں ۔ وہ مقاصد کیا ہیں:؟ فضائے آسمانی سے بستے انسانوں پر بمباری، انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلادینا، زہریلی گیسوں کا پھینکنا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہوسکتے ہیں یا شیطانوں کے ۔ انما یرید اللّٰہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کٰفرون ۔ الآیۃ ۔ ھل یجزون الا ما کانوا یعملون صدق اللّٰہ خالق ملک مولانا الکریم ۔ (سمیع الحق)

از افادات حضرت محقق العصر علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

۶۔ دلیل بقائی

انسان کی فطرت میں دو چیزیں ہیں۔ ۱۔ حب البقا ۲۔ بغض الفنا۔ اب اس میں ایک اور مقدمہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ انسانی زندگی سے دو چیزیں وابستہ ہیں ایک راحت اور دوسرا الم جسے اصطلاح اردو میں سُکھ یا دُکھ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں حیات بشری کے اجزاء ہیں۔ اور کوئی انسانی زندگی ان سے خالی نہیں، ہر راحت کے ساتھ الم کا ہونا ضروری ہے۔ راحت وجود کا نام اور الم عدم کا نام ہے۔ گویا سُکھ وجود ہے اور دُکھ عدم یا بالفاظِ دیگر راحت بقا ہے۔ اور الم فنا ہے۔ اس دلیل کی تشریح یہ ہے کہ دیکھئے غنا اور تونگری میں راحت ہے اور افلاس یا تنگدستی میں الم یا دکھ ہے تو غنا وجود اعمال کا نام ہوا اور افلاس عدم اعمال کا ۔۔۔ "عدم" شر و الم کا منبع ہے۔ اور "وجود" رحمت و راحت کا سرچشمہ۔ دوسری مثال یہ ہو سکتی ہے کہ صحت راحت ہے اور مرض الم ہے صحت میں وجدان الاعتدال یعنی اعتدال کا پایا جانا ہے۔ خواہ یہ اعتدال عناصر کا ہو یا اعتدال اعضاء مثلاً ایک آدمی کو تلوار لگ جائے تو اسکو درد ہوتا ہے۔ کسی کے گھوڑے سے گرنے سے ہڈی ٹوٹ جاتی ہے تو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ پہلے راحت موجود تھی اور راحت کی حالت میں وجدان اتصال ہوتا ہے۔ اور چوٹ وغیرہ لگ جانے سے اعضاء کا اتصال ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے تکلیف محسوس ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ شر و الم کا سرچشمہ عدم ہے۔ اور خیر و راحت کا سرچشمہ وجود ہے۔ اور فطرت انسانی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ بقا سے محبت اور فنا سے بغض رکھتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ میری صحت باقی رہے عزت و وجاہ باقی رہے۔ یعنی بقائے ذات اور متعلقات ذات کی تمنا انسان کا

خاصہ ہے۔

صوفیا کے ہاں جو بقا اور فنا ہے۔ یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ ان کی فنا کے دو معنی ہیں:۔۔۔۔

۱۔ فنار رذائل　　۲۔ فنار علمی۔

فنار رذائل کا مطلب یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ حسد کینہ ریا بغض وغیرہ جو روح کے لئے گندگی کا باعث ہیں، اُن کا ازالہ کیا جائے اس ازالہ کو صوفیا " فنار" کہتے ہیں۔ یہ فنا وجودیہ ہے۔ ان رذائل کو ہٹانے کے بعد قلب کی تطہیر ہوتی ہے، جسے قرآن مجید میں تزکیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فنا علمی کا مطلب یہ ہے کہ اذکار و اشغال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی اور مستحکم ہو اور ذکر حق کے غلبہ سے اپنے آپ کو مٹا دے۔ مثلاً ایک محبوب یا بزرگ کہیں تشریف لاتے ہیں، تو اُن کے مشاہدہ میں بسا اوقات اتنا استغراق ہو جاتا ہے کہ اپنے کپڑوں وغیرہ کی صفائی کا خیال بھی نہیں رہتا۔ امام غزالیؒ نے اسکی دوسری مثال اپنی کتب میں یوں بیان کی ہے۔ کہ شطرنج کے کھلاڑی پر کھانے پینے کا وقت گزر جاتا ہے۔ اور اسے بھوک کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ تصور اکل (کھانے کا خیال) تصور فتح کی وجہ سے مغلوب ہو گیا۔ یعنی اس خیال سے کہ ابھی جیت ہوتی ہے۔ ذرا اور کھیل کو چلاؤں اس تصور سے بھوک کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اشغال و اذکار کی وجہ سے ذات و وجود منہدم ہو جاتی ہے۔ پہلی صورت یعنی فنائی رذائل میں اخلاق رذیلہ کا زوال ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت یعنی فنار علمی میں نفس بھی باقی رہتا ہے اور اس کے متعلقات بھی۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ یہ تمنا صحیح ہے یا غلط ایسا دوام و استمرار ممکن ہو بھی سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تمنا غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ غلط چیز کی تمنا عمومی طور پر نہیں ہو سکتی تو معلوم ہوا کہ دوام وجود ناممکن اور محال نہیں ورنہ تمام لوگوں کا اس تمنا سے تعلق نہ ہوتا کیونکہ ناممکن سے تو طبعاً و فطرتاً تعلق ہو نہیں سکتا۔

تغیّر اور فنا سے محفوظ رہنے کا مصالحہ وحی الٰہی ہے

اب جب کہ طے ہوا کہ یہ تمنائی دوام وجود و بقا صحیح ہے۔ تو اس کے حصول کی کیا صورت ہو گی۔ انسان تو متغیر ہے۔ اور بقا عدم تغیر کا نام ہے۔ اسی سے واضح ہوا کہ زندگی کا ایک ایسا دور ہونا چاہیئے کہ انسان اس میں فنا اور تغیر سے محفوظ ہو یہ دنیا تو تغیر اور فنا کا نام ہے۔ لہٰذا یہ جگہ تو بقا کی ہو نہیں سکتی۔ مسلمانوں کے نزدیک دوسری جگہ جہاں فنا اور تغیر نہ ہو صرف دار آخرت و عقبیٰ ہے تو خلود اور ابدی جگہ صرف آخرت ہے۔ یہ تمنا اور بقاء و استمرار نعمت جو تمام انسانوں کی مشترک تمنا ہے۔ یہاں دنیا کے اس تنگ ظرف میں اس کا سمانا ممکن ہی نہیں بجز اس کے کہ وہ

آخرت کے وسیع ظرف میں ہو لیکن سوال یہ ہے کہ تمنائے بقا میں کامیابی کے وسائل کیا ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ تغیرات کو روکنے کیلئے مختلف چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً مکران اور کراچی میں مچھلیوں کو پکڑ کر خشک کرنے کا کارخانہ ہے۔ ان مچھلیوں کو چیر کر ان پر نمک چھڑکا جاتا ہے اور بازار میں فروخت کیلئے آجاتی ہیں۔ یا غیر ممالک جاپان وغیرہ کو برآمد کی جاتی ہیں یعنی نمک وغیرہ کے بعد یہ مچھلی تغیر سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور برسوں تک گلنے سڑنے سے محفوظ رہتی ہے۔ مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے سلسلہ میں ایک سیب برآمد ہوا جس پر اس زمانے کا کوئی خط لکھا ہوا تھا۔ ماہرین السنہ نے اس خط کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ سیب تین ہزار سال قبل کا ہے۔ لیکن صورتاً یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی درخت سے توڑا گیا ہو۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تین ہزار سال قبل بھی انسان اس قدر ترقی یافتہ تھا کہ مصالحہ کو سیب پر ملنے سے تین ہزار سال تک اس کی بقا ممکن ہو گئی۔ اس رسم کو مصری ممی کہتے ہیں۔ اور یہ معاملہ وہ لاشوں کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ یہ انسان کی ایجاد ہے کہ جو عالم تغیر میں ایسی دوام بخش دوائیں تیار کر سکتا ہے۔ جو وقت مقررہ تک کسی چیز کو دوام بخش سکتے ہیں۔ ؎

فنا را بادہ ہر جرعہ عام کردند چہ بیدردانہ اورا عام کردند
تماشہ گاہ مرگ ناگہاں را جہاں ماہ و انجم نام کردند

عالم تغیر کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ کہ عالم تغیر کی چیز ملنے سے یہ اثر استمرار اور بقائے موقت حاصل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ رہا کہ انسان کی اس تمنا کو مکمل کرنے کیلئے کہ فنا کی جگہ بقا اور استمرار ابدیت ہو اس کیلئے مصالحہ کی ہوتی ابدی چیزیں صرف دو ہیں۔ ایک ذات باری تعالیٰ دوسری صفات باری تعالیٰ۔ لہٰذا انسان کے اس فطرتی آغاز کا تقاضا یہ ہے کہ ذات ابدی کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے تاکہ وہ مصالحہ مل جائے جو انسان کے جسم کے ساتھ اور روح کیساتھ مل کر اسے دوام بخشے اس مصالحہ کا ربط مؤمن کے ساتھ اعتقادی اور کافر کیساتھ انکاری ہے۔ لہٰذا بوجہ اعتقاد جنت ہو گی اور بوجہ انکار جہنم ہو گی ——— شرح مواقف سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن کے الفاظ قدیم ہیں اور اس کا تلفظ حادث ہے۔ حاکمؒ نے نقل کیا ہے "سُئل محمد بن اسمٰعیلؒ عن القرآن فقال لفظی بالقرآن حادث"۔ یعنی میرا تلفظ لسانی حادث ہے الفاظ قرآن قدیم ہیں اور یہ کلام لفظی کلام نفسی کا مظہر ہے۔ لیکن بواسطہ ان الفاظ کے مصالحہ منتقل ہوتا ہے۔ جیسے انجکشن آج کے دور میں بطور واسطہ دوائی پہنچانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی ایسی صفت کا نام ہے کہ اس کا تلفظ زبان کیساتھ یعنی روح کیساتھ اور اعمال بدن کیساتھ ملتا ہے اور مضامین کے تصورات عقل سے چلتے ہیں۔ گویا ایک پورا مصالحہ روح اور جسم کیساتھ متعلق ہو جاتا ہے اسلئے ابدیت اور استمرار ناممکن اور محال نہیں لیکن اعتراض یہ ہوتا ہے کہ پھر موت کیوں واقع ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ ہر تعمیر کیلئے تخریب ضروری ہے اور وجود ابدی کی تعمیر کیلئے وجود فانی کی تخریب لازمی ہے موت تو اس ابدیت اور فنا کے درمیان واسطہ ہے۔ (مسلسل)

دعوات عبدیت حق
سلسلہ نمبر ۶

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب ادارہ الحق

حقیقت ہجرت

سنہ ہجری کے پہلے مہینہ کا سبق

(خطبہ جمعۃ المبارک محرم الحرام ۱۳۸۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترم بزرگو! مسلمانوں کے حساب کتاب کے لحاظ سے سنہ ہجری کا آغاز محرم الحرام کے مہینہ سے ہوتا ہے۔ تو گویا حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اللہ کی راہ میں خویش و اقارب اور ملک چھوڑنے کے تیرہ سو پچاسی سال[1] گزر گئے ـــــ مسلمان کا ہر کام اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ اس کے قومی کارنامے ہوں یا انفرادی۔ خوشی ہو یا غمی۔ دین کے کام ہوں تو بھی اللہ کی رضا کی خاطر۔ دنیا کے ہوں تب بھی اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد سے، گویا مسلمان کی ساری زندگی اللہ کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے۔ اسلام اسے زندگی کے ہر موقع پر غمی اور خوشی میں دنیاوی اور معاشی امور میں غرض ہر عمل میں خدائی تعلق سکھلاتا ہے۔ مثلاً عید دنیا کی تمام اقوام مناتی ہیں۔ لیکن بعض تو موسم بہار کی آمد کے موقع پر کہ موسم اچھا ہے میلہ لگانا چاہئے بعض اس وجہ سے کہ انہیں اس دن اپنے دشمن پہ فتح نصیب ہوئی، کسی قوم و ملک کو قبضہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ بعض لوگ قومی تہوار کے طور پر کہ وہ دن ان کے کسی رہنما، لیڈر اور نجات دہندہ کا یوم پیدائش ہوتا ہے۔ مگر اسلام نے ہمیں سال بھر میں دو عیدیں دیں اور دونوں کی بنیاد عبادت اور بندگی پہ رکھی گئی ہے۔ عیدالاضحیٰ یا عید الفطر دونوں میں جذبات عبدیت کا اظہار ہے ـــــ یہی حال مسلمانوں کے سنوی نظام اور قمری حساب کا ہے۔ ہر قوم نے اپنا حساب و کتاب رکھنے کیلئے ایک تاریخ مقرر کی ہے۔ اور ایک خاص واقعہ سے اپنے نئے سال کا آغاز کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں عیسوی سنہ کی مقبولیت ہے۔ اور انگریزوں کے اثرات کی وجہ سے انگریزی سنہ رائج ہے۔ جس کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوں کا بکرمی حساب بھی رائج ہے۔ مگر مسلمانوں کا نیا سال "ہجرت" سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس

[1] سنہ پچھلے سال کے حساب سے ہے۔ (ادارہ)

مناسبت سے اس کا نام بھی "ہجری" رکھا گیا ہے۔ دنیا کی اقوام اپنے حساب اور سن میں ان امور کا لحاظ رکھتے ہیں۔ کہ فلاں شخص فلاں دن پیدا ہوا۔ یا فلاں بادشاہ تخت نشین ہوا جس کی خوشی میں اس دن کو اہمیت دے دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں بھی ایسے انقلابی ایام اور فتوحات و کامیابیوں کی کمی نہ تھی۔ جس دن حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی۔ وہ تاریخ کا ایک انقلابی دن تھا۔ اور اللہ کیطرف سے انسانیت پر انعام کا سب سے بڑا مظاہرہ۔ مگر مسلمانوں کے سنہ کیلئے واقعۂ ہجرت کا انتخاب کیا گیا۔ کہ حضورؐ کی پیدائش تو ایک تکوینی انعام ہے، بندوں کے اختیار میں نہیں۔ مسلمان کی زندگی کے ہر نئے سال کا آغاز تو ایسے وقت سے ہونا چاہئے کہ اُسے سال کے بارہ مہینے عمل اور قربانی، بندگی اور جان سپردگی کا ایک سبق ملتا ہے۔ گویا اسلام نے اس میں بھی عمل کا اعتبار کیا جو اختیاری چیز ہے، تکوینی نہیں۔ سال کے نئے ہونے کے ساتھ ہی ہمیں ہجرت کا درس دیا گیا، جو پورے سال میں ہر تاریخ کو ہجری کی صورت میں دہرایا جاتا ہے۔

تو ہجرت کیا ہے؟ اس کا معنی و مقصد کیا ہے؟ اس کے ظاہری اور معنوی مطالب کیا ہیں؟ ہجرت کا معنی کسی چیز کو ترک کر دینا اور اس سے جدائی اختیار کر لینا ہے ـــــ تو اسلامی ہجرت اللہ کی رضا اور اس کے دین کی خاطر اپنی جان و مال، ملک اور جائیداد، دوست، احباب اور اہل وعیال چھوڑ دینا ہے۔ اور اسلام کا پہلا سبق پہلے دن سے یہی ہے کہ ہر چیز کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اور کسی خواہش اور آرزو پر اپنا اختیار نہ رہے۔ اسلام کا معنی ہی سپردگی اور تفویض ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ (اللہ تعالیٰ ہم سے ہماری جان اور مال (سب کچھ) جنت کے بدلے خرید چکا ہے۔)

ایک شخص جو دائرۂ اسلام میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے۔ کہ "اے اللہ میری عزت میری آبرو، میرا مال و دولت، حکومت و سلطنت تیرے سپرد ہے۔ مجھے اس کے عوض جنت دے۔" ظاہر ہے کہ جب ایک چیز کسی پہ فروخت کر دی جائے تو بائع (فروخت کرنے والا) کو اس میں تصرف کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ خریدنے والے کی مرضی ہوتی ہے کہ جہاں چاہے اب اسے کام میں لگا دے۔ اگر امانتاً عارضی طور پہ بائع کے ساتھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ تو جب چاہے بائع انکار نہیں کر سکتا۔ اور اسے واپس کر دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے بھی تقاضے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنا آسان ہے۔ مگر اسے نباہنا مشکل ترین کام ہے۔ کیونکہ اس دعویٰ کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اسکی مرضی کی خاطر فروخت کر دیا۔ پھر یہ بھی اللہ کی شان کریمی ہے کہ جو چیزیں ہم نے بیچ دیں وہ بھی ہماری

نہیں بلکہ اُس کی دی ہوئی تھیں۔ اور اگر ہم نے یہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر بھی دیا تو اُسی کا تھا ہمارے پاس تھا کیا کہ اس کے بدلے جنّت کے طلبگار ہوں ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر ہماری زمین و دولت ہے، جان و جسم ہے۔ روح اور زندگی ہے۔ سب کچھ اس کا عطا کردہ ہے۔ اور یہ اس کا کمال کرم ہے کہ اس کے مانگنے کے وقت اسے بیع اور خرید و فروخت کا نام دیا۔ یہ بیع و شراء حقیقی کب ہو سکتی ہے۔ گویا ایسی مثال ہے کہ معصوم بچے کو مٹھائی اور کھلونے دیئے جائیں پھر اُسے پیسے دے کر اُس کے عوض اُس سے مانگے جاتے ہیں۔ وہ خوش ہوتا ہے کہ میں نے انہیں کوئی چیز دے کر پیسے حاصل کر لئے۔ غرض اللہ نے دیا، پھر فرمایا کہ مجھ پر فروخت کر دو۔ میں تمہیں جنّت دے دوں گا۔ اب جو ہوشیار ہو وہ فانی اور ناپائیدار چیزوں کو ابدی نعمت جنّت پر بہ ہزار خوشی قربان کر دے گا۔ غرض عمل کا تقاضا جو ہوتا ہے اس کا میدان بھی خداوند کریم خود تیار کر رہے ہیں۔ اس ہجرت میں بھی عمل کی تعلیم ہے۔ وہ عمل جو ہجرت کی شکل میں سید الکائنات سردارِ دوجہاں حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے باعظمت صحابہؓ نے اختیار کیا۔ وہ صحابہؓ کہ روئے زمین پر انبیاء کے بعد خدا نے اُن جیسی بہترین مخلوق پیدا نہیں کی۔ اور انبیاء کے بعد انسانیت میں اُن سے افضل ہستیاں پیدا نہ ہو سکیں۔ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی وغیرہم رضی اللہ عنہم ان سب نے ہجرت کی شکل میں انسانی خواہشات کی قربانی دی اور اللہ کی راہ میں تمام موانع توڑ ڈالے ——

محرم الحرام کے آغاز سے ہی ایک مسلمان سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ اور اس کا ذہن اس تاریخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔ مال و اولاد، اعزہ و اقارب کو خیر باد کہا —— اللہ کے دین کی خدمت و اشاعت مکہ میں نہ ہو سکی کہ کفار کا غلبہ تھا۔ اپنے پرائے سب مقابلہ میں آئے، مکہ کے اردگرد طائف، جدّہ، حنین کا بھی یہی حال تھا۔ تیرہ برس کیا کیا تکالیف اٹھائیں۔ اور جب یقین ہوا کہ اس علاقہ میں دین کا پودہ پھل پھول نہیں سکتا، زمین شوریدہ ہے تو اللہ کے حکم سے اپنے جائے پیدائش اور آبائی شہر کو الوداع کہہ دیا۔ اور دو ڈھائی سو میل دور مدینہ طیبہ کو دین کی خدمت کا مرکز بنا ڈالا ——

بظاہر ایثار و قربانی کا یہ مظاہرہ —— اپنا قبیلہ و کنبہ چھوڑ کر ایک اجنبی مسافر اور نو وارد بن جانے بہت مشکل ہے۔ مگر مسلمان کو اس کے پیغمبر نے عملی نمونہ سکھایا کہ تمہارے لئے تو یہ سب کچھ آسان ہے کہ سارا ملک خدا کا ہے۔ تمہاری مال و متاع اس کی چند روزہ امانت ہے۔ اور جب اس کی راہ میں

اس سے دست بردار ہونے کا موقع آتا ہے۔ تو ہمیں کیا مجال دم ہے۔ غرض حضورؐ کے اس ایک عمل "ہجرت" میں دین کا سارا خلاصہ سمٹ آیا ہے۔ آج کل بعض لوگوں کو دین کے ست نکالنے کا خبط ہے۔ کیونکہ سائنس اور فلسفہ کا زمانہ ہے۔ ہر چیز کا جوہر تلاش کیا جاتا ہے۔ مگر اسلام سارے کا سارا جوہر اور ست ہے۔ اس کے ظاہر و باطن دونوں میں جوہر ہی جوہر ہے۔ فضلہ اور زائد کوئی چیز نہیں۔ اگر اسلام کا ایک جز لاینجزٰی بھی چھانا جائے تو ناممکن ہے کہ اس میں سے کوئی زائد اور غیر ضروری چیز نکل سکے۔ دین سراسر خلاصہ اور ست ہے ——

محرّم جو ہجرت کا مہینہ ہے، ہمیں یہ سبق بھی دیتا ہے کہ جب ایک مسلمان اپنا گھر بار، ملک و وطن اللہ کی راہ میں چھوڑ سکتا ہے۔ تو ناممکن ہے کہ ان سارے اعمال و افعال سے کنارہ کش نہ ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی کے خلاف ہوں۔ ناممکن ہے کہ ایک مسلمان مسلمان بھی ہو، جوا، شراب نوشی، حرامکاری، ظلم و عدوان، گناہ اور معصیت بھی کرے۔ بلکہ اسے تو ان سب چیزوں سے ہجرت کرنی ہوگی۔ جب ایک شخص اللہ کی مرضی کی خاطر اپنی ساری کائنات چھوڑتا ہے۔ تو کیسے ممکن ہے۔ کہ وہ بے نمازی، بدعملی، بے حیائی کو ترک نہ کرے۔ غرض حضورِ اقدسؐ اور ان کے صحابہؓ نے ہجرت کی شکل میں یہ درس دیا۔ کہ یہ مال و متاع آخرت کا ذریعہ ہے، اصل چیز دین ہے، دنیا نہیں۔ اور جو دنیا، جو قبیلہ، جو قوم اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنے اسے ابدی مسرت اور دائمی مرضیات الٰہی حاصل کرنے کی خاطر چھوڑ دیا جائے کہ دنیا تو روس اور امریکہ کا مقصد ہے مسلمان کا نہیں۔ مسلمان تو اس دنیا پر جو دین کا ذریعہ نہ بنے لعنت بھیجتا ہے۔ اور ایسی ہی دنیا مراد ہے اس حدیث میں کہ فرمایا حضورؐ نے کہ "دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے۔ مگر اللہ کی یاد (ذکر اللہ) اور جو چیزیں اس کا ذریعہ ہیں" دوسری نصیحت ہمیں اس مہینہ سے شہادت سیدنا حسینؓ کی شکل میں حاصل ہو رہی ہے —— (باقی آئندہ شمارے میں)

بقیہ: بلا سود بنکاری

۵۔ جو ممبر اپنے اور کارپوریشن سے لئے ہوئے سرمایہ سے کاروبار کریں گے وہ اپنے اس کاروبار کی مالیت کا بیمہ کرائیں گے، جس کا سالانہ چندہ (پریمیم) وہ ادا کریں گے، تاکہ پوری مالیت کا تحفظ ہو سکے —— کیا اسلامی نقطۂ نظر سے کارپوریشن کا یہ طرزِ عمل ٹھیک ہے۔؟ اس کے علاوہ کوئی اور مزید ہدایات بھی دی جا سکتی ہیں۔ تاکہ یہ پوری طرح اسلامی نقطۂ نظر سے کام کرے۔

دستخط (احمد ارشاد) مینجنگ ڈائریکٹر
بلا سود بنک، کوآپریٹو سرمایہ کاری و مالیاتی کارپوریشن لمیٹڈ۔
صدر کوآپریٹو مارکیٹ، وکٹوریہ روڈ، کراچی۔

دیارِ محبوب کا ایک سفر

داعی کبیر شیخ مصطفیٰ السباعی علیہ الرحمۃ

تلخیص و ترجمہ :- سمیع الحق

داعی کبیر بطل اسلام شیخ مصطفیٰ السباعی علیہ الرحمۃ جن کا پچھلے سال دمشق میں انتقال ہوا ملت اسلامیہ کے ان مخلص قائدین میں سے تھے جن کی زندگی کے تمام لمحات دینی دعوت اعلاء دین کی جان سوزی اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کی جدوجہد میں صرف ہوئے دعوت و تبلیغ تصنیف و تالیف جہاد و سرفروشی کا کوئی محاذ ایسا نہ تھا جس کی صف اول پر ملت کے اس غمخوار نے باطل کا مقابلہ نہ کیا ہو۔ اس علم و شہرت کے باوجود ان کا دل اسلاف کی محبت سے معمور اور علمی گھمنڈ و غرور سے پاک تھا۔ اور طویل جانگسل علالت کے دوران صبر و رضا کے وہ نقوش ثبت کئے جن کی نظیر مشکل سے ملے گی خوش قسمتی ہے اسی سفر حجاز کے دوران جس کے تاثرات آپ نیچے پڑھیں گے اس ناچیز کو بھی مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں ان سے کئی بار ملنے کی سعادت حاصل ہوئی بستر مرگ پر دراز ہونے کے باوجود ان کی ہر بات اسلام کے سوز سے لبریز تھی اور ملت مسلمہ کے نشاۃ ثانیہ کیلئے ان کا دل تڑپ رہا تھا ——

سمیع الحق

میری خواہش نہیں تھی کہ اپنے پچھلے سال کے سفر بیت اللہ الحرام اور اداء شعار حج کے بارہ میں کچھ لکھتا۔ مگر اس سفر مبارک کے بعض مفید اور عبرت انگیز و نصیحت آموز مشاہدات نے مجھے "حضارۃ الاسلام" میں اپنے تاثرات کے اظہار پر آمادہ کیا۔ بارگاہ خداوندی سے امید ہے کہ اس تحریر کے اغراض و محرکات کے بدلے مجھے اجر و ثواب ملے اور قارئین کے دلوں میں جاگزیں ہو کر بہترین نتائج پیدا ہوں۔ اس سے قبل بھی دو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اداء شعار حج کی توفیق دی پہلی مرتبہ ۱۳۶۴ھ اور دوسری مرتبہ ۱۳۷۱ھ میں جبکہ میں نے کلیۃ الشریعۃ دمشق کے اساتذہ و طلبہ کی جماعت سمیت بلاد مقدسہ کی زیارت کی۔

اس کے بعد میں دو سال تک اس شدید مرض فالج کا شکار رہا جس کے تکلیف دہ اثرات کو اب تک برداشت کرتا رہا ہوں۔ دوا تحالیکہ میں خداوند قدوس کے پے درپے انعامات و اکرامات اور

اس کی مرضیات قضا وقدر کے فیصلوں پر صابر و شاکر ہوں۔ میرا قلم اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ، جلالت قدسیہ کے اظہار اور احسانات عظیمہ کے حق شکر و حمد ادا کرنے سے قاصر ہے۔

پچھلے رمضان المبارک میں اچانک میری مرض میں اضافہ ہوا درد و کرب اور تکلیف کے ایسے عوارض پیش آئے کہ اس طویل مرض میں مجھے پہلے اُن کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ بالخصوص رمضان کی آخری مبارک راتوں میں مرض کی شدت انتہا کو پہنچ گئی۔ درد و آلام کے مارے میری آنکھ نہ لگتی اور رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا۔ ان طویل راتوں کی تنہائی میں تفکرات و آلام کے ہجوم کے دوران بارگاہ خداوندی میں فریاد رسی کیلئے ایک قصیدہ موزوں ہوا جس کا عنوان ہے ؎

یا سائق الظعن نحو البیت والحرم　　　ونحو طیبۃ تبغی سید الامم[1]

اور کئی راتیں جب درد و اذیت کے صدمے ناقابل تحمل ہو جاتے تو مجھ پر رقت طاری ہو جاتی، دل و دماغ میں جذبۂ شوق کے طوفان اٹھنے لگتے اور بارگاہ خداوندی میں نالۂ و شیون کا ظہور اس قصیدہ کے اشعار کی شکل میں ہوتا رہا اور اندرونی جذبات ابیات کے قالب میں ڈھلتے رہے۔ اسی سوز و ساز میں تقریباً ایک سو اشعار موزوں ہوئے[2]

---

[1] اے سواری ہانکنے والے بیت اللہ اور حرم پاک کی جانب اور سید الامم کی خاطر مدینہ طیبہ کی طرف۔

[2] اس قصیدہ کے بعض اشعار اہل علم کے محفوظ ہونے کیلئے درج کئے جاتے ہیں، جو فقید مرحوم کے وصال کے بعد "حضارۃ الاسلام" کے عدد خاص میں شائع ہوئے۔

یا سیدی یا حبیب اللہ جئت الی	اعتاب بابك اشكوا البرح من سقمی
یا سیدی قد تمادی السقم فی جسدی	من شدۃ السقم لم اغفل ولم انم
الاهل حولی غرقی فی رقادهم	انا الوحید جفاۃ النوم من الم
قد عشت دهرا مدیدا فی رقادهم	والیوم لا شیئ غیر القول والقلم
یا سیدی طال شوقی للجهاد فهل	تدعوالی اللہ عودا عالی العلم
فاکرم الناس من کانت منیتہ	فی حومۃ الحق جلدا غیر منهزم
واهون الناس من جاءت منیتہ	خلوا من الهم او خلوا من الهمم
یا سیدی یا حبیب اللہ معذرۃ	انی محب وقولی صادق الكلم
من کان یهواك حقا كیف یجحد ما	تولیه للناس من خیر ومن كرم
الیوم اندیك والاحوال مظلمۃ	جنود جهلك نرجوا كشف ذی الظلم
وكیف ایاس والآلام عنا مسرۃ	ان الیؤس كفور الفضل والنعم

اس طویل قصیدہ میں میں نے بارگاہِ قدس میں دامنِ سوال پھیلایا ہے۔ اور اس سے اس کی حرم کی رحمت واسعہ تک رسائی کی التجائیں کی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقدس و پاکیزہ روضۂ مطہرہ اور ان دیارِ پاک کا ذکر کیا ہے۔ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوتِ خالدہ اور ابدی پیغام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ نیز اس قصیدہ میں ضعفاء اور مریضوں کی شفاء میں حضورؐ کے اعجازِ مسیحائی اور معجزاتِ باہرہ کا تذکرہ بھی آیا ہے۔

اس کے بعد اشہرِ حج شروع ہوئے اور میری بیماری دن بدن شدت اختیار کر رہی تھی۔ دعوتِ ربّانی ندائے ابراہیم خلیل علیہ السلام پر لبیک کہنے والے خوش نصیبوں کی روانگی حجازِ مقدس شروع ہو چکی تھی۔ اچانک میرے دل میں بھی یہ تڑپ اور ولولہ بیدار ہوا کہ سفرِ حج کی مشقتوں میں بھی اس کاروانِ عشاق میں شامل ہو جاؤں شاید عرفات کی مبارک شام کی رحمتیں اور برکتیں مجھے بھی اپنے اندر سمیٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ خوشنودی مجھے بھی نصیب ہو جس کی بشارتیں احادیث صحیحہ میں دی گئی ہیں۔

اس جذبہ کے جاگ اٹھنے پر میں نے پاسپورٹ کیلئے کوشش شروع کی۔ ادھر میرے خویش واقارب احباب و رفقاء کو اس ارادے سے سخت حیرت ہوئی اور از راہِ شفقت اس زار و نزار جان بلب مریض کو اس طویل سفر سے باز رکھنے کی کوششیں کیں جو ضعف کے مارے بستر علالت پر خود کروٹ بھی نہ بدل سکتا تھا۔ بالآخر جب انہیں میرے بارہ میں مایوسی ہوئی تو باصرار سب نے مشورہ دیا کہ میں اوّلاً مدینہ طیبہ جاؤں اور موسم حج کے اختتام تک وہاں رہوں۔ پھر بعد از موسم حجاج کرام کے ہجوم و اژدحام ختم ہونے پر بغرض عمرہ مکہ معظمہ چلا جاؤں۔ مگر میں نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور خسارہ کیا ہوگا کہ اتنا قریب رہ کر بھی میں عرفات کی اس مخصوص رحمت و برکت سے محروم رہوں جو حضرت حق جل مجدہٗ کی جانب سے اس کے وفا شعار بندوں پر اس دن نازل ہوگی اور رحمت سمیٹنے کا یہ قیمتی موقع کھونے کے بعد وہاں جاؤں میں نے اٹل فیصلہ کیا کہ مجھے سعادتِ حج حاصل کرنی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو۔ اگر وہ مجھے بسلامتی واپس لوٹائے تو دولتِ ایمان و سعادت زیارت حرمین لیکر آجاؤں گا۔ اور اگر اس نے وہاں ہی میری موت کا فیصلہ کیا ہو تو زہے نصیب دیارِ محبوب کی موت اور وصال کی نعمت جس کیلئے میں شدت سے بیتاب ہوں۔ اس سے قبل بیماری کے دوران ہی مجھے تین مرتبہ یورپ جانا پڑا۔ اور ہسپتالوں میں بغرض علاج داخل ہوا۔ میرا آخری سفرِ یورپ گذشتہ جولائی ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ اور وہاں مجھے دماغ کا آپریشن کرانا پڑا۔ ان اسفار میں ہر مرتبہ اور ہر شہر میں مجھے مختلف ممالک کے ایسے مخلص بھائی ملے جو ہر وقت میری تیمارداری اور آرام و راحت پہنچانے میں لگے رہتے محض دینی اور

اسلامی رشتہ کی خاطر ایک اجنبی کیلئے رات بھر جاگتے اور ایک مسافر مریض کی پریشانیوں کا بوجھ اٹھاتے۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ اس سفر میں مشفق ساتھیوں سے میری دستگیری نہیں فرمادے گا۔ جو سفر کی کلفتوں اور نقل و حرکت کی صعوبتوں میں میری مدد کریں۔ جبکہ میں اس کی بارگاہ عالی میں شفایابی حاصل کرنے جارہا ہوں۔
—— ان تصورات سے میری ڈھارس بندھ جاتی —— میرا حوصلہ اور بھی بلند ہونے لگا۔ اور وہ مبارک گھڑی بالآخر آپہنچی اور میں ۲۲ ذی قعدہ کو دمشق سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور بارہ روز تک وہاں ٹھہر کر مکہ معظمہ چلا گیا اور تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فریضۂ حج کی ادائیگی کی توفیق دی۔ حج کے بعد چند دن تک مکہ معظمہ کی روح پرور فضاؤں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اور وہاں سے دوبارہ مدینہ طیبہ لوٹا کہ وطن کی واپسی سے قبل چند دن مزید جوار رسول کریم الصلوٰۃ والسلام کی سعادت حاصل کروں لیکن مدینہ طیبہ میں مجھے اچانک ایسی شدید گرمی کا سامنا کرنا پڑا جکی تاب میرا نحیف و نزار جسم نہیں لاسکتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی حجاز کے بہترین اور خوبصورت گرمائی مقام طائف میں چند دن ٹھہرنے کے خیال سے مجھے دوبارہ مکہ معظمہ واپس ہونا پڑا ——

طائف جس سے حضور نبی کریم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے عبرت انگیز واقعات وابستہ ہیں۔ بہار کا موسم بھی ایک حالت پر نہیں رہتا۔ فالج اور اعصابی مریض کے لئے ایسا موسم بہت مضر رہتا ہے۔ اس لئے چند دن مکہ معظمہ میں ٹھہر کر میں نے واپسی کا عزم کر لیا۔ تاکہ گرمی کا باقی موسم دمشق ہی میں گذار سکوں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس تقریب سے ان چند انعامات خداوندی کا ذکر کروں جس سے مجھے خداوند تعالیٰ نے اس سفر میں نوازا۔ اور یہاں کے خیر و برکت کے بارہ میں میرے تصورات، مشاہدات اور یقین سے بدل گئے ——

اسلامی اخوت کے اٹوٹ رشتے

پہلی نعمت یہ کہ خداوند تعالیٰ نے دمشق کے ہوائی اڈہ سے روانگی سے لیکر دیار مقدسہ سے واپسی تک مجھے اخوت اسلامی کے پیکر ساتھیوں سے نوازا جنہوں نے تمام سفر میں مجھے اپنی شفقت و عنایت سے نوازا۔ ان میں سے اکثر کو نہ میں پہچانتا تھا۔ اور نہ وہ میرے ہم وطن تھے۔ مگر اسلام کی عالمگیر برادری بھی جس کی وجہ سے وہ میرے ساتھ ایک بھائی کی طرح سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا مقدس رشتہ ہے۔ جس کی راہ میں ساری رسمی جغرافیائی حدود اور دوریاں ہیچ ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ آج دنیا بھر میں کوئی ایسا عقیدہ اور نظریہ نہیں جو ایسی صاف پاکیزہ اخوت انسانی پیدا کرے جو ہر طرح کی مادی اغراض اور حرص و لالچ کے شائبوں سے پاک ہو جن لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے اخوۃ اسلامی کے تقدس پر ایمان کی

دولت سے نوازا ہے۔ اور جو لوگ اس رشتہ کے استحکام اور مضبوطی کیلئے اپنی پوری علمی و فکری قوتیں خرچ کر رہے ہیں۔ انہیں اسلام کی اس امتیازی نعمت و طاقت کی سچی قدر و قیمت معلوم ہو سکتی ہے۔
ہم پوری بصیرت اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ بے چین دنیا کے امن اور سلامتی کے لئے صرف وہ پاکیزہ اسلام ہی امن اور سکون دے سکتا ہے۔ جسکی بنیادیں ایسے مقدس رشتوں پر استوار ہوئیں اور جسکی ہدایت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دنیا کی تمام سرحدات اور رکاوٹوں کو پامال کیا۔ اور جس کیلئے دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیا۔ آج پھر اسلام ہی سے دنیا کو برادری اور سلامتی کی دولت مل سکتی ہے۔ اور دنیا کی مختلف قوموں میں انسانی برادری کے جذبات ابھر سکتے ہیں۔ وہ اشتراکیت جو انسانی اخوۃ کی بجائے سوشلسٹ اور لیبر اخوۃ پر ایمان رکھتی ہے۔ جن کو صرف پیٹ اور مادہ کی مشترکہ جد و جہد نے آپس میں جوڑ رکھا ہے۔ اسلام کی اس پاکیزہ اخوت اور رشتہ کی بلندیوں کو چھو نہیں سکتی جو حرص و لالچ خود غرضی اور جلب منافع عرض دنیا کی تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ ان مادہ پرستوں کے رشتے جن نظریات اور اغراض پر استوار ہیں اس نے تو دنیا کو باہمی بغض و عناد جنگ و جدال خود غرضی کی جہنم میں جھونک دیا ہے۔ جو دنیا کی عالمگیر لڑائیوں اور باہمی اضطراب و انتشار اور شر و جنگ کا باعث بن رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

(باقی آئندہ)

غلبہ خشیت

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت میں چاہتا ہوں کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجھے زیارت ہو جائے آپ نے فرمایا کہ بھائی تم بڑی ہمت اور بڑے حوصلے کے ہو کہ زیارت نبوی کے طالب ہو۔ ہماری لیاقت تو فقط اس قدر ہے کہ اگر گنبد اخضر شریف پر نگاہ پڑ جاتے جو مدینہ منورہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر نظر آتا ہے۔ تو بڑی خوش نصیبی ہے۔ ہماری لیاقت اس قدر کہاں کہ ڈیوڑھی پر حاضر ہو سکیں۔
حدیث میں ہے کہ ایک شخص سب سے اخیر میں دوزخ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا اور وہ جہنم میں شور و غل کرے گا۔ کہ اے اللہ میں ہی کیوں رہ گیا۔ حکم ہوگا کہ اسکو یہاں سے نکال کر دوزخ کے کنارہ پر بٹھا دو پس ایسا ہی ہوگا۔ اور اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا۔ دیر تک وہ فریاد کرے گا حکم ہوگا کہ دوزخ کی طرف اسکی پشت کر دو۔ پشت کرنا تھا کہ اب جنت نظر آنا شروع ہو گئی۔ اور اس کا ایک درخت نظر پڑیگا تو عرض کریگا کہ اے اللہ اس درخت تک پہنچا دیجئے۔ پھر دوسرا درخت نظر پڑیگا۔ اس کیلئے بھی یہی تمنا کریگا۔ ارشاد ہوگا یہ کیا ابھی تو ایک ہی درخت تک کی فرمائش تھی اب دوسرے درخت تک کی فرمائش ہو گئی۔ مگر اس پر غلبہ خواہش کا ہوگا۔ اور صبر نہ کر سکے گا۔ پس عرض کئے جائے گا۔ غالباً حضرت امام حسن بصریؒ جو تابعی ہیں یا اور کوئی بزرگ اس حدیث کو بیان کر کے فرمانے لگے کہ کاش! میں وہی شخص ہو جاؤں ان پر کس قدر خشیت تھی اپنے کو کس قدر کم درجہ کا سمجھتے تھے کہ اے اللہ میں ہی وہ شخص ہو جاؤں کہ کبھی تو دوزخ سے نکل جاؤں گا۔ (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

ملت حنیفیہ کی حقیقت

از افادات حکیم الامت امام ولی اللہ دہلویؒ

مرتب: حضرت مولانا عبدالحمید سواتی
ناظم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
(رفیق اعزازی۔ الحق)

یہ امر بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو ملتِ حنیفیہ پر کاربند ہونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ کوئی قوم یا فرد اس ملت سے باہر رہ کر کسی قوم کی کوئی حقیقی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام ہمیشہ ملت حنیفیہ، دینِ حنیف، دینِ اسلام کی طرف ہی لوگوں کو دعوت دیتے رہے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے چونکہ دنیا میں ایک نئے قسم کا انقلاب رونما ہوا اور انی جاعلک للناس اماما کا دور شروع ہوا۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ دین حنیف کے سب سے بڑے مبلغ قرار پائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حنیف کے لقب سے نوازا گیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو صاف طور پر بیان فرمایا ہے:

مَاكَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (ال عمران)	ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ حنیف (صرف اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہونے والے) اور فرمانبردار تھے۔ اور وہ شرک کرنیوالوں میں سے نہیں تھے۔ بیشک تمام لوگوں سے زیادہ قریب تر ابراہیم علیہ السلام

سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ اور خاص طور پر یہ نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کارساز اور ولی ہے ایمان والوں کا۔

اس آیت کی وضاحت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مترجم می گوید حنیف آنرا می گفتند کہ استقبال کعبہ کند و حج گذارد و ختنہ نماید و از جنابت غسل کند۔ حاصل آنکہ نام کسے بود کہ بشریعت ابراہیمی متدین باشد۔ واللہ اعلم"

ترجمہ :- مترجم (حضرت شاہ ولی اللہؒ) فرماتے ہیں۔ کہ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو نماز میں کعبہ شریف کی طرف اپنا رخ کرتا ہے۔ اور (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے) حج ادا کرتا ہے۔ اور ختنہ کرتا ہے۔ اور جنابت و ناپاکی سے غسل کرتا ہے۔ حاصل یہ ہے۔ کہ حنیف اس شخص کا نام ہوگا جو شریعت ابراہیمی کو ماننے والا ہو۔

اس مختصر سے نوٹ میں امام ولی اللہؒ نے پہلے تو چند شعائر ملت حنیفیہ کے ذکر کئے اور پھر ایک ضابطہ کی شکل میں بات سمجھائی کہ دراصل حنیف اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین کو مانتا ہو اور اس پر کاربند ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا ہے۔ کہ آپ بھی اس بات کا اعلان کر دیں کہ :

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ (انعام)

بیشک میرے پروردگار نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ سیدھی راہ کیطرف جو مضبوط دین ہے، ملت ابراہیمی یا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ جو حنیف تھے اور شرک کرنیوالوں میں سے نہیں تھے۔

پھر سورہ نحل کی ایک آیت میں ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (النحل)

پھر ہم نے حکم بھیجا آپ کی طرف کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت کی پیروی کریں جو حنیف تھے اور شرک کرنیوالوں میں سے نہیں تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حج اور قربانی کرنے والے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حنفاء بن جائیں اپنی تمام عبادتوں کو ایک حنیف انسان کی طرح ادا کریں ۔۔۔

حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ ۔ (الحج) یعنی حنفاء ہوں اللہ تعالیٰ کیلئے۔ اور اس کے ساتھ کسی وقت اور کسی حال میں شرک کرنے والے نہ ہوں ۔۔۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام عالم اور بنی نوع انسان کے افراد اور جماعتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ حنیف بن جائیں۔ اور اس کے سوا کوئی چیز خداوند کریم کے ہاں قبول نہیں ہو سکتی۔ جس سے انسانوں کو نجات مل سکے اور دنیا و آخرت میں انہیں کامیابی و فلاح نصیب ہو سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ

اور ان لوگوں کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ خالص اللہ تعالیٰ

لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ — کی عبادت کریں اسکی اطاعت اور عبادت میں اخلاص کرنے والے ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور یہی مضبوط دین ہے۔

تمام لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ مقرر کر دیا کہ وہ سارا دین اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کیلئے مخصوص کر دیں اور حنیف بن جائیں۔ اپنی مالی، جانی عبادتیں محض اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کر دیں۔ یہ وہ دین اور قانون ہے جس میں کبھی شکست نہیں آسکتی اور نہ یہ ٹوٹ سکتا ہے۔ اس کی پابندی تمام لوگوں کو کرنی ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں کہ :

"عرب کے مشرکین اپنے متعلق دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حنفاء ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیروکار کہتے تھے۔ حالانکہ حنیف تو اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ملت ابراہیمی کو بطور دین کے مانتا ہو۔ اور اس کے شعائر کو لازم پکڑتا ہو۔ اور ان پر کاربند ہو۔ (مشرکین تو ان سب شعائر کو ضائع کر چکے تھے۔) اور ملت ابراہیمی کے شعائر یہ امور ہیں : بیت الحرام کا حج کرنا۔ اور اسکی طرف نماز میں رخ کرنا۔ اور جنابت سے غسل کرنا۔ اور تمام خصائل فطرت پر کاربند ہونا۔ ختنہ کرنا۔ اشہر حرم کی تعظیم کرنا۔ مسجد حرام کی تعظیم کرنا۔ محرمات نسبیہ اور رضاعیہ کو حرام سمجھنا۔ حلق میں جانوروں کو ذبح کرنا۔ اور نحر کرنا۔ اور جانوروں کے ذبح اور نحر سے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا خصوصاً حج کے ایام میں ——"

اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ :

"اور اصل ملت ابراہیمی میں وضوء، نماز، روزہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک یتامیٰ اور مساکین پر صدقہ کرنا۔ اور نوائب حق میں اعانت کرنا۔ یعنی ایسے مصائب جو لوگوں پر کسی وجہ سے آجاتے ہیں۔ جیسے وباء، قحط، سیلاب، جنگ وغیرہ میں جو لوگ زیر بار ہو جاتے ہیں ان کی اعانت و امداد کرنا۔ اور صلہ رحمی (قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک) یہ سب امور شروع تھے۔ اور ان امور کے باعث باہم مدح و ثناء بھی کی جاتی تھی۔ لیکن جمہور مشرکین ان امور کو چھوڑ چکے تھے۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ یہ افعال و اعمال بالکل ہی نیست و معدوم یا انکی اصلی شکل و صورت بالکل باقی نہیں رہی تھی۔ اور قتل نفس، چوری، زنا اور سود و غصب کو حرام خیال کرنا بھی اصل ملت میں ثابت تھا۔ اور فی الجملہ ان امور پر انکار بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن جمہور مشرکین نفس امارہ کے اتباع میں ان امور کا ارتکاب کرتے تھے ——"

اس مضمون میں خصائل فطرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل وہ امور ہیں جن پر کاربند ہونا انسان کا فطری تقاضا ہے۔ ان میں بعض امور وہ ہیں جن کا تعلق انسان کے عقیدہ اور ضمیر سے ہے۔ اور بعض امور وہ ہیں جو انسان کی طہارت و نظافت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام ان امور کی تعلیم دیتے رہتے۔ چنانچہ مسلم شریف اور ابوداؤد وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ عائشہ صدیقہؓ اور عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند باتیں امور فطریہ میں سے ہیں۔ مثلاً (انسان کی وضع قطع کو درست رکھنے کے لئے) مونچھوں کا تراشنا اور ڈاڑھی کو بڑھانا۔ مسواک کرنا۔ کلی کر کے منہ صاف کرنا۔ ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا۔ ناخن تراشنا۔ جسم کے پیچیدہ حصوں سے میل کچیل صاف کرنا۔ بغل اور زیر ناف مقامات سے بال صاف کرنا۔ پانی سے استنجا پاک کرنا۔ ختنہ کرنا۔

حضرت ابوایوبؓ سے امام ترمذی نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں انبیاء علیہم السلام کی سنت میں ہیں۔ حیاء۔ خوشبو کا استعمال کرنا۔ مسواک کرنا۔ نکاح۔ بعض روایتوں میں حیاء کی بجائے ختنہ کا ذکر ہے۔ بہرحال ان امور کو خصائل فطریہ کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت دین حنیف کا ایک بنیادی اصول بلکہ اصل الاصول ہے جس کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت امام ولی اللہؒ اپنی کتاب بدور بازغہ میں فرماتے ہیں۔ کہ (دوسرے اہل مذاہب و ملل رب کی معرفت کے بارہ میں مختلف طریقوں سے سوچتے ہیں۔) لیکن ایک حنیف شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارہ میں اس طرح سوچتا ہے:

لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ (انعام)	اگر مجھ کو میرے رب نے سیدھی راہ نہ دکھائی تو میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔

جب مرد حنیف نے تمام چیزوں سے خالی ہو کر اپنی فطرت کی طرف نظر کی تو اس نے معلوم کر لیا۔ کہ اس کے رب نے اس کی فطرت میں ایک صحیح علم اور صحیح معرفت رکھ دی ہے۔ جو اسکی فطرت کے ساتھ مناسب ہے۔ پس دین حنیفی یہ ہے کہ تم اپنے رب کو صحیح طریق پر پہچان لو، تمہیں اسکی ایسی معرفت حاصل ہو جائے کہ اس میں کسی قسم کا جہل نہ ہو۔ اور یہ معرفت تم اپنی عقل معاش کے ساتھ حاصل کرو۔ اور اس رب تعالیٰ کے کمالات اور اسکی صفات کو اپنی زبان سے تعبیر کرو۔ اس طرح کہ یہ تعبیر تمہاری عقل کے ساتھ مطابق ہو۔ ــــــــ

اس سے ظاہر ہے۔ کہ ملت حنیفیہ کی اساس اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت پر ہے۔ حضرت امام

ولی اللہؒ ملل و مذاہب پر بحث کرتے ہوئے۔ اپنی اسی معرکۃ الارا کتاب بدور بازغہ میں فرماتے ہیں،

"کیا تم ملت حنیفیہ کی تحقیق و تفتیش کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اسکی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو پھر سمجھ لو کہ ملت حنیفیہ کی حقیقت یہ ہے۔ کہ ارتفاق ثانی اور ثالث کی اساس و بنیاد تین چیزوں پر ہونی چاہیے[1]

۱- ان طبعی تقاضوں پر جو بنی آدم یا نوع بشری میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ان کے علوم، احتیاجات و ضرورتیں، ان کے صدور کی وسعت اور وقار اور رفاہیت کو پسند کرنا وغیرہ۔

۲- اللہ تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ موافقت اور ان کے آداب قائم کرنے پر۔

۳- تجربات پر اور ان چیزوں سے احتراز کرنے پر جو تجربہ عامہ کے خلاف ہوں، اور جن کو تجربہ عامہ حرام اور ناجائز قرار دیتا ہو۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مخصوص اصطلاحات میں سے ایک بحث ارتفاقات کی ہے۔ شاہ صاحبؒ سے قبل بطور اصطلاح کے اسکو کسی عالم یا حکیم و محقق نے نہیں استعمال کیا۔ حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ میں خود شاہ صاحبؒ نے ان کی تشریح کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ،

ارتفاقِ اوّل سے شاہ صاحب کی مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ یا بدوی۔ خواہ کسی بھی ماحول میں رہنے والا ہو۔ مثلاً لباس، خوراک۔ گرمی سردی سے بچنے کا سامان۔ بول چال۔ نکاح وغیرہ۔ (شخصی ضروریات)

ارتفاقِ ثانی سے مراد وہ ضرورتیں جو مختلف افراد کے باہم اجتماع و ائتلاف سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً شہری زندگی کے لوازمات اور ضروریات۔ یہ ضرورتیں پہلے ارتفاق پر مبنی ہوتی ہیں۔ ارتفاق اوّل سے جب انسان آگے بڑھتے ہیں تو پھر (شہری زندگی کی ضروریات ہیں)

ارتفاق ثالث سے مراد وہ ضروریات ہیں۔ جو انسانی تمدن میں نظام حکومت سے پیدا ہوتی ہے۔ (ملکی ضروریات)

ارتفاق رابع سے مراد وہ احتیاجات اور ضرورتیں ہیں جو تمدنِ انسانی میں بین الملی یا بین الاقوامی حیثیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک سلطنت کا دوسری سے کیا معاملہ ہوتا ہے۔ باکیا روابط اور تعلقات ہو سکتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ اور مختلف حکومتوں پر کس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ وغیرہ۔ (بین الاقوامی ضروریات)

سواتی

جب یہ تین باتیں ملحوظ رہیں گی تو ان پر ملت حنیفیہ کی بنیاد استوار ہو گی، ملت حنیفیہ کی بنیاد نجوم کے خواص اور ان کے علوم میں غور و خوض کرنے پر نہیں ہو گی۔ اور اسی طرح طبیعت (مادیات) کے اسرار سے پوری طرح احتراز کرنے پر ملت حنیفیہ کی بنیاد استوار ہو گی۔ البتہ جو باتیں تجربہ سے ثابت ہوں گی انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات کہ جس پر ایمان کی تمہید رکھی جائے گی، وہ یہ ہے کہ نسمہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی یہ معرفت اور اسکی تنزیہہ (اللہ تعالیٰ کو عیوب و نقائص سے پاک سمجھنا) اس نسمہ میں پختہ ہو جائے اور پھر اقرار لسانی بھی موجود ہو جو اس نسمہ کے ساتھ ملا ہوا ہو۔"

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

"ملت حنیفیہ نے ہر ایسے علم کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ جو اس کیلئے معین و معاون نہ ہو۔ اور

۱؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملت حنیفیہ کی بنیاد مادیت پر قائم نہیں ہو گی جس طرح بعض مشرک قوموں کے مذاہب و اعتقادات کی اساس و بنیاد مادیت اور نجوم کے خواص پر رکھی گئی ہے۔ اور ان نجوم سے وہ اپنے اعتقاد میں نفع اور نقصان کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مادیت سے دنیا کے نظام میں فائدہ ہی نہ اٹھایا جائے۔ اور اس سے پہلو تہی کر لی جائے یہ شاہ صاحبؒ کی مراد نہیں۔ شاہ صاحب کا اصل مقصد یہ ہے کہ ملت کے اصولوں کا انحصار مادیت اور عقلیت پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس نور پر رکھا گیا ہے جسکو شرع اور نبوت کہتے ہیں۔ جب ملت کی بنیاد اس پر استوار ہو گی تو پھر اس کے بعد مادیت و عقلیت اور نجوم وغیرہ سب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲ سواتی

۲؎ امام ولی اللہؒ اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں "جاننا چاہیئے کہ روح تین اجزاء سے مرکب ہوتی ہے۔ ایک نسیم طیب (پاکیزہ ہوا۔ یا آکسیجن) جو عناصر کے لطیف بخارات سے کئی ہضموں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ غذا اور نشو و نما اور ادراک کی قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ اور اسکو ہم نسمہ، روح طبعی اور بدن ہوائی بھی کہتے ہیں۔ اور یہ گوشت اور ہڈیوں میں اس طرح سرایت کرتی ہے جس طرح آگ کوئلے میں اور عرق گلاب گلاب کے پھول میں۔ اور روح ہوائی کو اسی جز کی وجہ سے جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اور جسم اسکی جدائی سے موت کا مزہ چکھتا ہے جس طرح کہ وہ خود بھی جسم کی جدائی سے موت کی تکالیف اور رنج اٹھاتی ہے۔ اور اس لطیف بخار کا اصلی معدن (مرکز) دل، دماغ اور جگر ہوتا ہے۔ اور روح کا دوسرا جز نفس ناطقہ۔ یہ دراصل طبیعۃ الکل یا نفس کل کا ایک ظہور ہوتا ہے۔ انسان کا نوعی نظام اسی جز کی بدولت قائم رہتا ہے۔ اور تیسرا جز روح ملکوتی (قل الروح من امر ربی میں جسکی طرف اشارہ ہے) ہے۔ اسکی کشش خطیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ اور عالم بالا کی طرف ہوتی ہے انسان کا اپنے رب کو پہچاننا یا اس کا قرب اس جز کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ روح کے ان تینوں اجزاء میں سے ہر ایک کی خاصیت جدا جدا ہے۔ ۱۲ سواتی

جس سے اسکو فائدہ نہ ہو اور ایسے علم کو بھی نظر انداز کیا ہے جو عوام الناس کیلئے اختلاط اور اشتباہ پیدا کرتا ہو۔ اسی لئے شریعت نے تعدد اسماء اور ان کے احکام کے اختلاف کو ساقط قرار دیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک کا صدق اور ان کا اختلاف و منشاء اختلاف کی دقیق بحث کی طرف اشارہ ہے۔) اور سب کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے ارادے اور حکمت کی طرف راجع قرار دیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اختلاف جو اسماء میں واقع ہو سکتا ہے۔ وہ بیک وقت تصادق اور تفارق بھی ہے۔ یعنی یہاں ایک ایسی نسبت پائی جاتی ہے جو ناسوت (عالم مادی) کی نسبت سے بہت بلند ہے جسکو تصادق و تفارق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اور جب نسمہ نے اختلاف ثابت کیا تو اسکی تعبیر اس اختلاف تک پہنچے گی جسکی نفی کرنا اس بارگاہ سے ضروری ہے۔ تو ایسی صورت میں نسمہ کا (ذات) حق پر ایمان د نجات نہیں ہو سکے گا۔ جب تک کہ وہ اختلاف سے سکوت نہ اختیار کرے۔ اور سب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے ارادہ اور حکمت کی طرف نہ لوٹا دے۔ تو اب اسماء اور معدلات اور تقابلات کے اختلافی علوم سب کے سب اس قضیہ اجمالیہ میں درج ہو گئے۔

اور ایمان و احسان اور دیگر عبادات کی تمہید ان چیزوں پر رکھی جائے جو نسمہ کو اسکی صفات پر باقی رکھتے ہوئے اس کے ساتھ لائق اور مناسب ہیں اور ان چیزوں کی بنیاد ان باتوں پر نہ رکھی جائے جو نسمہ سے بلند ہیں۔ اور نسمہ کو فنا کرنے کے بعد وہ امور پیدا ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر نماز، روزہ، زکوٰۃ۔ حج۔ ذکر وغیرہ جیسی عبادات مشروع ہوئی ہیں، جو نسمہ کے باقی رہتے ہوئے ادا کی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ حجابات ثلاثہ (حجاب طبع۔ حجاب رسم۔ حجاب سوء المعرفۃ) کو توڑنا اور ان کی شکستگی کی تمہید طبیعت کو افراط سے روکنے پر قائم کی جائے نہ کہ طبیعت کو بالکل اپنے مزاج سے زائل کرنے پر، بایں طور کہ کھانے، پینے، اور نکاح وغیرہ کو کلیۃً ہی ترک کر دیا جائے۔ یا مثلاً انسان خصی ہو جائیں، یا اعضاء تناسلیہ کو کاٹ دیں یا ایسی شاق ریاضتوں سے طبیعت کو فنا کر دیں۔ جیسا کہ جوگی یا راہب اور سنیاسی وغیرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ دین حنیف کا منشا طبیعت کو بالکل بیکار کرنا نہیں بلکہ اسکی اصلاح اور تربیت ہے تاکہ اس کا غلو اور سرکشی ختم ہو جائے اور وہ احکام الٰہیہ کے تابع ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی میں فرمایا ہے کہ:

"نفس کو پاک کرنا اس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کر دے اور عقل کو شریعت کے تابع کر دے تاکہ روح اور قلب تجلی الٰہی کے نور سے منور ہو جائیں ــــــ"

اس کے بعد امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ :

" ملت حنیفیہ کی اساس و بنیاد کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ رسوم باطلہ کو رسوم صالحہ کے ساتھ تبدیل کیا جائے۔ ایسی رسوم صالحہ جو دنیا و آخرت دونوں میں انسان کے لئے مفید ہوں اور یہ بھی ضروری ہے کہ شرک کی تمام انواع و اقسام کو قطع کیا جائے۔ اور براہین عقلیہ میں خوض ترک کر دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نور قائم کیا گیا ہے۔ جسکو شرع اور نبوت کہتے ہیں اسی پر اکتفا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اور فتنوں کی معرفت اور پہچان میں۔ اور ان سے احتراز کرنے میں۔ اور معاد میں جزا و سزا کی معرفت میں۔ شرع اور نور نبوت پر ہی اعتماد کیا جائے۔"

یہ ہیں ملت حنیفیہ کے اصول و ارکان جن پر اسکی پوری عمارت قائم و استوار ہوتی ہے۔ اس کے بعد امام ولی اللہؒ ملت کے متوارث احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

ملت حنیفیہ کے متوارث احکام جو مختلف ادوار میں پچھلے لوگ اگلے لوگوں سے نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ یہ احکام ہیں مثلاً جنابت سے غسل کرنا اور وضو، ختنہ اور تمام وہ خصائل جنہیں خصائل فطرت سے موسوم کیا جاتا ہے ان پر عمل کرنا۔ اور نماز قیام، رکوع، سجود اور دعا سے یہ چار ارکان نماز کے ایسے ہیں جن میں کبھی کوئی حنیف دوسرے حنیف سے مختلف نہیں ہوا۔ اور روزہ۔ اس میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ یہود، نصاریٰ، قریش اور وہ تمام لوگ جو اپنے آپ کو ملت حنیفی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ پورے کامل دن کا روزہ یعنی طلوع فجر سے غروب آفتاب تک رکھتے تھے۔ اور ملت حنیفیہ کے متوارثات میں گناہوں اور خطاؤں کو مٹانے کیلئے اور آفات و بلیات کو دفع کرنے کیلئے صدقات کا دینا۔ اور بیت اللہ کا حج بھی ایک متوارث سنت ہے۔ اس ملت میں۔ اور اذکار اور استغفار اور دعوات یعنی بارگاہ الٰہی میں مناجاتیں اور دعائیں۔ اور ایمان۔ یعنی قسمیں اور نذریں۔ اور اسی طرح مردوں کیلئے کفن دفن اور دعا اور حلق میں ذبح کرنا۔ نیز ان جانوروں کو کھانا جنہیں طبع سلیم خبیث اور گندہ نہیں خیال کرتی۔ اور نکاح مہر اور خطبہ کے ساتھ۔ اور محرمات نسبیہ اور رضاعیہ کو حرام سمجھنا۔ پس یہ چیزیں اور ان جیسی دوسری باتیں ملت حنیفیہ کے احکام و مسائل کی وہ صورتیں اور اشباح و قوالب ہیں۔ جو اس ملت کی طرف منسوب ہیں۔ اور حنفاء میں پھیلی ہوئی ہیں۔ شریعت موسوی اور شریعت محمدی کے بقیہ احکام اور تفصیلی جزئیات ان متوارثات کے بعد ہیں۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ :

"یہ بات تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس دور میں صرف ملت حنیفیہ پر منحصر ہے۔ اس سے متجاوز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ملت حنیفیہ انسان کی صورت انسانیہ (صورت نوعیہ) کے ساتھ اور اس سے علوم کے استخراج کے ساتھ بھی موافق ہے۔ اور شرور سے اجتناب و احتراز کرنے میں بھی اس نوعی صورت کے ساتھ موافق ہے۔"

امام ولی اللہؒ نے اپنی دقیق کتاب "الخیر الکثیر" میں نوعی تقاضوں کو اس طرح سمجھایا ہے۔ فرماتے ہیں :

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کی صورت نوعیہ بذاتہا تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے جسم عنصری (مادی بدن) میں اسکی ایک خاص ہیئت اور شکل ہو۔ پس ضروری ہے کہ وہ مستقیم القامت (اسکا قد سیدھا) ہو اور اس کا جسم بالوں سے ڈھکا ہوا نہ ہو بلکہ اس کے جسم کی کھال نمایاں ہو۔ اس کے ناخن چپٹے ہوں۔ اس کا سر گول ہو۔ اور وہ ناطق ہو (بولنے والا اور کلیات و جزئیات کے ادراک کرنے والا اور غور و فکر کرنے والا۔ اور آلات کو استعمال کرنے والا ہو) اس میں ضحک یا ہنسی کی صفت پائی جائے۔ اس میں قوت بینائی ہو جس سے وہ اشکال و کو دیکھ سکتا ہو۔ اور قوت سماعت ہو جس سے مختلف قسم کی آوازیں سن سکتا ہو۔ اس میں بھوک و پیاس اور دیگر اشیاء کو محسوس کرنے کی قوت ہو۔ الغرض کہ تمام وہ خصوصیات و اوصاف جن کا تعلق اس کے جسم سے ہے۔ اسکی صورت نوعیہ ان سب کا تقاضا کرتی ہے۔

اور اسی طرح اس کے باطن کی بھی ایک مخصوص ہیئت اور شکل ہے جس کا تعلق نسمہ سے ہے۔ چنانچہ خوشی و ناخوشی۔ رضا و غضب اور کاموں کے انجام کو سوچنا اور مخفی اسرار کا ادراک کرنا۔ اور مختلف اشیاء کی باطنی کیفیات معلوم کرنا۔ اسی ہیئت باطنیہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اتنی بات تو عوام و خواص سب ہی جانتے ہیں۔"

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ :

ملت حنیفیہ کے سوا ہر ملت ایسی ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔ کیونکہ انہی لوگوں کے اذہان مقدس شرف اور تالّہ اور ان کے سامنے انقیاد میں (یعنی وہ شرف و بزرگی اور تقدس جو صرف ذات الٰہی میں پایا جاتا ہے اس میں) اور ناسوتی شرف و فضل میں (یعنی وہ شرافت و بزرگی جو مادی جہان کی ہستیوں میں پائی جاتی ہے۔ ان میں) فرق نہیں کر سکتے اور ظاہری طور پر ان میں امتیاز نہیں کر سکتے اس لئے شرک کی آمیزش کا ہونا لازمی بات ہے۔ اسی لئے انسان کی جبلت

معقولات ثانیہ اور براہین کی تفتیش پر نہیں بنائی گئی بلکہ اس کی جبلت ادراک بسیط اور معقولات اولی پر رکھی گئی ہے۔ (جب ہم الفاظ بولتے ہیں تو سب سے پہلے ان کا معنی اور مفہوم ذہن میں آتا ہے۔ اسی کو معقولات اولی کہتے ہیں۔ اب جب ہم ان معانی اور مفاہیم پر غور و فکر کرتے ہیں۔ تو اس سے ہم جو چیزیں اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً اس مفہوم کا کلی یا جزئی ہونا یا فصل و نوع یا اصل و فرع وغیرہ تو اس کو معقولات ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ ادراک کی پیچیدہ قسم ہے اس پر فطرت انسانی اور جبلت کا دارو مدار نہیں رکھا گیا۔) جب یہ بات تم پر اچھی طرح واضح ہوگئی تو اب تم کھلے طور اور بہانگ دہل اعلان کرنے والوں میں سے ہو جاؤ کہ اللہ تعالی کی غرض انسانیت کی ترقی کے اعتبار سے ملت حنیفیہ کے شیوع اور ظہور میں ہے کبھی اس کے ظہور اور اشاعت کا طریق ارتفاق ثالث اور کبھی ارتفاق رابع کے طریق پر ہوگا۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

بعثت بالملۃ السمحۃ الحنیفیۃ البیضاء مجھے ایک ایسی کھلی اور روشن شریعت اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی ہے۔

حنیفیت کا مفہوم اور اسکی حقیقت تو تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔ اب سمحہ کا مطلب یہ ہے کہ جسکو بالکل ظاہری معاملہ پر بنایا گیا ہو۔ اور جسکی بنیاد اعمانات یا حد سے زیادہ گہرائی اور تعمق پر نہ رکھی گئی ہو۔ اور یہ کہ ہر عذر کیلئے رخصت بھی ہو۔ اور ہر تنگی کیلئے آسانی ہو۔ اور رہبانیت اور ریاضات صعبہ اور عبادات شاقہ کو بالکل مٹا دیا گیا ہو۔ اور بیضاء کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اس ملت کا معاملہ بالکل واضح اور نمایاں ہو۔ کوئی شخص اسکی علل (احکام کی علتوں) کی معرفت میں شک نہ کر سکے۔ اور ان علتوں کو ان کے مقاصد کی طرف لوٹانے میں بھی کسی قسم کا شک و تردد نہ کرے۔

اس کے بعد اسی بعد باز غہ میں امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ ملت حنیفیہ میں داخل ہونے اور اسکو بطور مذہب کے اختیار کرنے کیلئے ضابطہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں داخل ہونے کا دارو مدار اللہ تعالی کی وحدانیت کے اقرار پر ہے۔ اور اللہ تعالی کی تنزیہہ پر۔ یعنی اسکو نقائص سے پاک سمجھنے پر اور اس کا محامد کے ساتھ متصف ہونے کے اقرار پر اور شرک کی نفی پر۔ خواہ شرک عبادت میں یا استعانت میں یا ذکر میں۔ اور ذبح میں

یا نذر اور قسم میں۔ اور یہ بھی واجب اور ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اولاد، بیوی اور سہو و نسیان، عجز اور جہل سے اور بخل و ظلم سے منزہ جانے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک کی تنزیہ بھی واجب ہے۔ ہر ایسی چیز سے جس سے کوئی نقص ظاہر ہو۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کے اسماء کو توقیفی قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ ان اسماء کے اطلاق و ایجاد کرنے پر یا غلط طور پر استعمال کرنے پر کوئی شخص جرأت بے جا نہ کر سکے۔ اور اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے معانی کو سمجھنا اور ان کے مفہوم کے ثبوت کی اللہ تعالیٰ کیلئے تصدیق کرنا۔ نیز رسالت کا اقرار بھی اس میں ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سب رسولوں کی رسالت کا اقرار اور کتابوں کے نازل کرنے کا اقرار۔ ملائکہ کے وجود کا اقرار اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واجب قرار دیا ہے کہ ان ملائکہ کو پاک و مقدس سمجھا جائے۔ ہر قسم کی برائی سے اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھا جائے۔ نیز یوم آخرت کا اقرار اور دوبارہ لوٹائے جانے کا اقرار بھی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ دونو باتیں دین میں تنبیہ کرنے والی اور کھٹکھٹانے والی ہیں۔ پس جب تک تم ان دونوں کی تصدیق نہ کروگے۔ تو دین حنیفی کے ساتھ متدین ہونے سے کچھ فائدہ نہ حاصل ہوگا۔ —— اور اس دین یہ بھی ضروری ہے کہ اس ملت کے تمام اصولوں اور ضروریاتِ دین کا اقرار کیا جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعائے صحت

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی مدظلہ خطیب جامع مسجد بھوسہ منڈی راولپنڈی و مہتمم جامع عثمانیہ ورکشاپی علیل ہیں اور کنٹونمنٹ ہسپتال راولپنڈی میں زیر علاج ہیں۔ قارئین حضرات سے صحت کاملہ عاجلہ کیلئے دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

قابلِ توجہ

راقم الحروف کو برہان دہلی اور معارف اعظم گڑھ اور الہلال کی پرانی فائلوں کی ضرورت ہے۔ جو صاحب فروخت کرنا چاہیں مراسلت فرمائیں۔

(سمیع الحق دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔ ضلع پشاور)

ادارِیہ

مَوتُ العَالِم

علمی و دینی حلقوں میں یہ اطلاع بڑے غم و رنج سے سنی جائیگی کہ بنوں کی ممتاز مذہبی شخصیت علوم دینیہ کے زبردست عالم اور مدرسہ معراج العلوم بنوں کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عجب نور صاحب ۸ - ۹ مارچ ۱۹۶۶ء کی درمیانی شب کو انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون - موصوف علوم نقلیہ و عقلیہ کے جامع عالم اور دین کے بڑے مخلص خادم تھے تقسیم سے پہلے کافی عرصہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مراد آباد سے آنے کے بعد بنوں میں ناساعد حالات کے باوجود دینی علوم کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے عرصہ میں آپ کے فیوضات سے علاقہ سیراب ہونے لگا ـــــ ایک مخلص بزرگ اور ایک جامع العلوم ہستی کا ایسے قحط الرجال میں اٹھ جانا علم و دین کی دنیا میں بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو مقامات رفیعہ سے نواز کر ان کے باقیات صالحات، تلامذہ، مدرسہ اور لائق و فاضل صاحبزادگان کو زندگی بھر اسی طرح خدمت دین میں معروف رکھے اور یہ سب مرحوم کی روح کیلئے ٹھنڈک کا باعث ہو۔ دارالعلوم حقانیہ میں حضرت مرحوم کے سانحہ جدائی پر شدید افسوس و رنج کا اظہار کیا گیا. نماز عصر کے بعد طلبہ و اساتذہ کے مجمع میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے حضرت مرحوم کے مناقب بیان کئے. مرحوم کی روح کیلئے ایصالِ ثواب کرایا گیا. اور رفع درجات کیلئے دعائیں کی گئیں -

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی
رفیق اعزازی ۔ الحق

سیاست و تعمیر ملت

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ؒ کے افکار کی روشنی میں

گذشتہ سے پیوستہ

مسعود عالم ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

"سیاست میں میرے خیالات آپ لوگوں سے الگ نہیں لیکن اگر رسالہ (الضیاء) کو چلانا ہے تو اس کو شجر ممنوعہ قرار دینا پڑے گا۔ الخیر کلہ لیس فی السیاسة ، انما ھو نوع من الخیر فترکہ لیس ترک الخیر کلہ ۔ (مکاتیب سلیمان صہ ۳۶)

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :

"اخبار ہلال کا طلوع مبارک ! مگر ضرورت ہے کہ صرف قوم و ملک کا سیاسی جذبہ کارفرما نہ ہو، کچھ اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت ہمارے دلوں کے اندر ہو۔ اور اسکی رضا اور رجا کا بھی دل میں خطرہ ہو۔ افسوس ہے کہ جو ہم میں نظری طور سے ملحد نہیں وہ عملی طور سے ملحد ہوتے جارہے ہیں ۔ اسلام اور مسلمانوں کا درد ہندوستانی قومیت کے منافی نہیں ۔"

تقسیم ہند سے پیشتر کے چند سالوں میں ہندوستان کا سیاسی مطلع جس طرح غبار آلود تھا ۔ اور سیاست جس طرح مسلمانان ہند کے دل و دماغ ، ذہن و قوٰی پر چھائی ہوئی تھی ۔ اس کا آج تصور بھی مشکل ہے حسن و قبح کا مدار ، اشخاص کی مدح و ذم کا معیار سیاسی مسالک بن چکے تھے۔ حضرت والا قدس سرہٗ کی اس زمانے کی تحریریں سیاسی اصابت رائے ، فکری پختگی ، ذہنی بلندی ، دینی بصیرت و اسلامی نظریۂ زندگی کی معتدل اور جامع ہدایات ہیں ۔ جو ہمیشہ مسلمانوں کیلئے مشعل راہ رہیں گی ۔

۱۹۴۵ء کے ہنگامہ خیز زمانہ میں کلکتہ میں ایک نئی جمعیۃ علمائے اسلام قائم ہوئی جس کا مسلک پاکستانی

نظریہ کی حمایت تھا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں :

"پچھلے مہینہ کلکتہ میں ایک نئی جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد پڑی ہے۔ جہاں تک اس کے مطبوعہ نظامنامہ کا تعلق ہے۔ وہ بڑی اہمیت کی مستحق ہے۔ اور اس سے بہت کچھ توقعات قائم کی جاسکتی ہیں۔ لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ صرف کوئی ہنگامی محرک تو اس ساری گردش افکار کا محرک نہیں ہے۔ ان کاموں کے لئے ضرورت ہے چند جانباز مخلصوں کی جو اس کے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ اور پیہم سرگرمیوں سے اپنے وجود کا یقین دلائیں۔ ورنہ سیاسی تماشوں میں ایسے سوانگ بہت دیکھنے میں آئے ہیں۔ جمعیت کو ثابت کرنا چاہئے کہ وہ ایسی نہیں۔ اور اس سے جو توقعات قائم کی جائیں وہ پوری ہوں گی۔ اور وہ متبوع ہو کر رہے گی، تابع نہیں۔

آج کل مسلمان اہل سیاست میں علماء کو برا بھلا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ اب علمائے جمعیت اسلام نے ہمت کر کے ان کی تائید میں آواز بلند کی ہے۔ اور اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے علیحدگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے۔ کہ ہمارے دوستوں کے گذشتہ طرز عمل میں کوئی تبدیلی ہو گی۔ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ برا منظر اور کیا ہو گا۔ کہ اس کا مشغلہ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز ہو۔

اس زمانہ میں جب الیکشن کا بازار گرم ہے۔ سیاسیات نے قومی اور تعلیمی و علمی اداروں کو بھی اپنے ساتھ الجھا لیا ہے۔ لیکن یہ صورت حال خود ان تعلیمی و علمی اداروں کے لئے موزوں نہیں۔ یہ ادارے وہ کارخانے ہیں۔ جن کے سپرد قوم کے دماغوں کی تیاری کا کام ہے۔ اگر گولہ بارود بنانے والے کارخانوں کے مزدور اور جنگی تربیت گاہوں کے معلم بھی فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ تو کیا ایسی قوم جو تقسیم عمل کے اصول سے اس طرح اعراض برت رہی ہو۔ کبھی لڑائی کے سلسلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکتی ہے۔

مجلس دار المصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں۔ کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے۔ اور اس کو عملی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔"

(معارف صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹ ج ۵۶ سنہ ۶)

مسعود عالم صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

"میں بھی اعظم گڈھ سے دور ہونے کے باعث الیکشنوں کے ہر گرد و غبار سے محفوظ رہا۔ ابھی

دیوبند گیا تھا۔ ایک دن رہا۔ مدرسہ کانگرس کا قلعہ بن رہا تھا۔ حسنِ نیت اور اخلاص پر اعتماد ہے۔ مگر مدارس کا اس کشاکش میں پھنسنا کسی طرح علم و دین کے لئے پسندیدہ نہیں۔ ایک طرف علی گڑھ کے طلبہ لیگ کا ٹیکرا اور بالمقابل دیوبند کے طلباء کانگرس کا جھنڈا لئے کر صوبہ بھر میں پھیلے ہیں۔" (مکاتیب سلیمان ص۱۹۴، ۱۹۵)

علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری کو لکھتے ہیں :

"ادھر میرٹھ میں قیام کے سبب سے دو دو چار چار روز کیلئے دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون اور دہلی ہو آیا۔ ہر جگہ سیاسیات کے الجھاؤ سے اصحاب عمائم اور اہل درس و تدریس کو پراگندہ خاطر پایا۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ پر رحم فرمائے۔"

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

"سیاسیات سے یکسو ہو کر علم اور دین کی خاطر باہمی کوششوں کو یکجا کریں۔"

ایک خط میں مسعود عالم صاحب کو، ۱ستمبر ۱۹۴۶ء کو اس وقت کی سیاست کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ملتِ اسلامیہ کی اکثریت کی ناکامی کا سانحہ بڑا المناک ہوگا۔ مسلک کی صحت و خطا سے بحث نہیں، یوں ہی ایک بات قلم سے نکل گئی ہے۔

گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت پر اس بات کا بہت ہی اثر تھا۔ کہ امت مسلمہ اکثری حیثیت سے اپنے مقاصد، اپنے منصب خلافت اور مقام امامت کو بھلا کر فکر و نظر، علم و عمل میں متبوع بننے کی بجائے دوسرے کی تابع اور ناقل بنتی چلی جارہی ہے۔ بلکہ بن گئی ہے۔ اُمت کو اس کے مقام رفیع کی یاد دہانی، اسلامی نظریۂ خلافت کی طرف رجوع اور دینی سیاست عادلہ کی طرف عود کی تلقین اپنے حکیمانہ اور پر درد الفاظ میں ہمیشہ فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک جگہ حکیم الامت ؒ کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :

"حقیقت میں ترقی جس کی اس وقت دم بدم پکار ہے۔ اونچے محلوں، بھرے خزانوں بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں، اونچی تنخواہوں، شاہانہ احتراموں، اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف عادات اور پاک و صاف قلب کا نام ہے۔ جو آب و گل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو۔ اور حرص و ہوٰی، حبِّ مال اور حبِّ جاہ کا گرویدہ نہ ہو۔ جس میں اخلاص کے ساتھ خالق کی رضا

کے لئے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔

فقر و تصوف، علم و فن اور تمدن و سیاست زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض و غایت اور اصول و مبادی کو چھوڑ کر ہندی و عجمی و یونانی و افرنگی تصورِ حیات کی تقلید میں مصروف ہو گئے اور اب تک مصروف ہیں۔ اور اسی کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت جانتے ہیں۔ فقر و تصوف میں ہندی و یونانی تصورات جوگ و استغراق کی تقلید ہے۔ علم و فن میں عجمی و یونانی مذاق کی پیروی ہے۔ تمدن و سیاست میں ایرانی و رومی رنگ کی آمیزش ہے۔ کیا عجیب بات ہے۔ کہ وہ دین جو قیصریت و کسروانیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا، اسی کے نام لیوا چالیس برس کے بعد خود ہی قیصریت و کسروانیت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگ گئے کہ اس کے امراء و حکام خلفائے راشدین کی جگہ قیصر و کسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے۔ وہی تعیش، وہی سونے چاندی اور ریشم و حریر اور طاؤس و رباب کی زندگی مسلمان امراء و حکام کی زندگی کا مقصد بن گیا۔ بیت المال ان کا ذاتی خزانہ بن گیا، اور سلطنت ان کی موروثی ملکیت جاگیرداری و زمینداری اسلامی اصول کی بجائے قیصر و کسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہو گئی۔

یہ تو عہد گذشتہ کا حال تھا۔ عہد حاضر میں یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے۔ ہمارے دار السلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں۔ ہماری خواتین کے سامنے انگلستان و فرانس کی عریانی اور رنگینی اور بے حجابی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص و سرود اور ظاہری پوشاک و وضع کی اور طرز ماندو بود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ غرض مسلمانوں کے دل و دماغ اور ذہن و تصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد جو اسلام نے پیش کیا تھا۔ یکسر مخفی اور پوشیدہ ہے۔

علم و فن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت و گمراہی خیال کی عکاسی میں مصروف ہے۔ اور سوائے تقلید و نقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے۔ تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوشربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام کا تصورِ سیاست، اور تصورِ تمدن اور تصورِ علم و فن اپنا

خاص ہے۔ اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی و ملی غرض و غایت ہو۔
.... اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں۔ کہ وہ (اس آئینہ[1] میں اپنے خط و خال کو دیکھ کر) اپنی شکل کو پہچانیں، اور غلط اور گمراہ دنیا کے پیرو اور مقلد بننے کے بجائے دنیا کے امام و پیشوا بنیں۔ اور ایک نئے تمدن، نئے طرزِ حیات، نئے مقصدِ زندگی اور نئے آئینِ سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

اور اس وقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جویا اور سکینیت کی پیاسی دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیں۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی تکمیل کریں۔ جو دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کی کفیل ہو۔ اور سیاست اور ملک داری کو حرص و ہوا، جھوٹ اور دغا اور مکر و فریب سے آزاد کریں۔

اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد　　من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

اسلام نے ببانگ دہل بتایا ہے اور تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ حکمرانی کے استحقاق کے لئے اخلاقی جوہر لازم ہے حبِّ مال اور حبِّ جاہ یہ دو لبالب زہر کے پیالے ہیں۔ جو شربتِ زلال کی شکل میں حکام اور لیڈران کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی نے اسکی طمع میں آکر ان کو پی لیا۔ تو نہ صرف ان کی بلکہ پوری ملت کی موت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لئے وہ حکومتِ صالحہ جسکی دعوت اسلام کا آئین دیتا ہے۔ وہ ایثار و اخلاص اور خدمتِ خلق کی للہی جذبات سے تعمیر پاتی ہے۔ لیکن ان جذبات کی آفرینش اور مال و جاہ کی محبت سے قلوب کی حفاظت اس تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ جو قرآن سے ہدایت پانے کی پہلی شرط ہے۔ "ھدی للمتقین" بے انصافی، کینہ پروری، رشوت خوری، پرمٹ فروشی، بلیک مارکٹنگ جن کی بدولت ہندوستان و پاکستان کی بنیادیں ہل رہی ہیں

---

[1] اسلامی تعلیمات کا وہ آئینہ جسے حکیم الامت حضرت تھانوی نے امت کے سامنے پیش کیا۔ اور جسے نئے انداز میں مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ نے سلسلہ تجدیدات و اصلاحات کے نام سے چار جلدوں میں مرتب فرمایا۔ (یعنی جامع المجددین، تجدید تصوف و سلوک۔ تجدید تعلیم و تبلیغ۔ تجدید سیاسیات و قومیات) آخری جلد کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔۔

وہ حاکموں، عہدہ داروں اور وزیروں اور سوداگروں، تاجروں، زمینداروں اور کسانوں کی انہیں اوصاف عالیہ سے خالی اور محروم ہونے کے سبب سے ہیں۔ اور اس کا اصل سرچشمہ اس خشیتِ الٰہی اور جزائے "یوم الدین" سے بیگانگی ہے۔ جس سے قلوب تزکیہ و تصفیہ کے آبِ صافی سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیۂ قلب اور تصفیۂ اخلاق کے بغیر فوزِ حقیقی سے محروم رہتے ہیں۔ افراد کے قلوب جب تک عناد و حسد، بغض و کینہ، عجب و غرور، ریا و نمائش سے خالی اور اخلاص و ایثار، توکل و اعتماد علی اللہ اور صبر و ثبات سے معمور نہیں ہوتے۔ دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر و ثواب سے ہم کنار نہیں ہوتے اور یہ ایسے اصول ہیں۔ جو ایک طرف اصول و تعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی و انفرادی مبادی نفسیات سے ثابت اور موید ہیں۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس کے کاموں کی غایت رضائے الٰہی کی طلب اور احکامِ الٰہی کی تعمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ غیر فانی ملت کا مقصدِ حیات ایسے ہی غیر فانی مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ورنہ محض دنیاوی فوز و فلاح یعنی دولت و حشمت، عیشِ زندگی اور اسبابِ راحت کی فراوانی اور بلند محلات اور خدم و حشم کی کثرت تو وہ پست و مبتذل مقاصد ہیں۔ جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا سراب ہے۔

ذٰلک بأنّ اللہ ھو الحق وانّ ما یدعون من دونہ الباطل۔ کل شئی وما خلا اللہ باطل۔ (مقدمہ جامع المجددین)

مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی
رفیقِ اعزازی - الحق

اسلام کا تصوّرِ نبوت
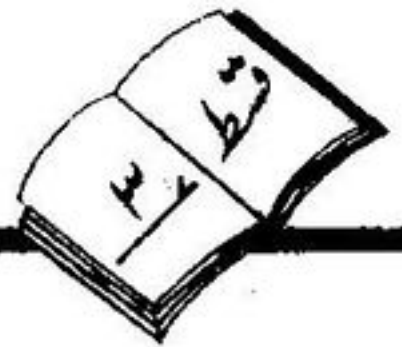
یہ روحانی اطباء جن کو شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں نبی یا رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے، الہامِ ربانی سے فیض پاکر روحانیت کے لئے نئے نئے اصول وضع کرکے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اُن کے مقدس ہاتھ اُن کی مبارک کوششیں ہمارے لئے غلہ پیدا کرنے، بڑی بڑی ملیں (MILLS) بنانے، انجینئرنگ کے اسکول کھولنے اور زراعت اور صنعت وحرفت کے فنون سے آشنا کرنے نہیں آتے، بلکہ وہ اس سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ کام کیلئے آتے ہیں۔ ان کی مبارک انگلیاں اعمال و افعال اور حرکات وسکنات پر نہیں پڑتیں۔ بلکہ انسانیت کے قلوب کے تاروں پر پڑتی ہیں۔ جن سے یہ افعال واعمال کے نغمے پھوٹتے ہیں۔ اُن کی توجہ کا مرکز اعمال نہیں بلکہ قلوب ہوتے ہیں جن کو وہ سارے اعمال کا منبع (SOURCE) اور اس عالم وجود کا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ وہ چونکہ مصلح بھی ہوتے ہیں اس لئے اُن کی حکیمانہ نظریں اصلاح معاشرہ سے قبل افراد کے قلوب کی اصلاح پر پڑتی ہیں جن سے معاشرہ کی ترتیب وترکیب ہوتی ہے۔ وہ پہلے انفرادی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر اُن باصفا قلوب پر مشتمل افراد سے جو معاشرہ ترتیب پاتا ہے۔ وہ دیکھنے میں تو انسانی معاشرہ ہوتا ہے، لیکن اپنی معنویت کے لحاظ سے ملائکہ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی اُن کے خدام کی حیثیت سے ان کی امداد کیلئے فرشِ زمین پر اُترتے ہیں۔ وہ تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لاتا ہے۔ وہ ایک روحانی برادری پیدا کرکے آدم کے اُن بیٹوں کے جن کو دولت وغربت، سوسائٹی اور مجلس، تمدن اور معاشرت، سیاست اور جغرافیہ اور قوم اور وطن کی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہوتا ہے، سب مصنوعی امتیازات مٹاکر باہم تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ اور اس پوری روئے زمین کو ایک ملک، تمام اقوامِ عالم کو اولادِ آدم اور بلاتفریق تمام انسانی طبقوں کو ایک طبقہ قرار دیتا ہے۔ وہ اُن کے قلوب سے بغض، وکینہ کی ظلمت کو نکال کر محبت وآشتی کا نور

بھر دیتا ہے جس سے اُن کے دلوں سے خود بخود اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی آواز نکلتی ہے۔ وہ انسانیت کے ارادہ و احساس، اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کی باگ ڈور اُن کے قلوب کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اصلاح شدہ دل جب عالم وجود کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ تو پھر انسان وہی کچھ کرتا ہے۔ جو اللہ رب العزت کہتا ہے، وہی کچھ سنتا ہے۔ جو حق تعالیٰ اس کو سناتا ہے وہی کچھ دیکھتا ہے۔ جو حق تعالیٰ اُس کو دکھاتا ہے۔ ساری دنیا کی حقیقت ایک پرکاہ کے برابر اس کی نگاہ میں ہو جاتی ہے۔ وہ ہر بات میں اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھ کر رَضُوْا عَنْہُ کی عملی تصویر پیش کرتا ہے۔

یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو براہ راست ہمارے جسم اور جسمانیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ صرف قلب کی اصلاح کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل ناممکن اور محال ہے کہ ایک پاکیزہ اور اصلاح شدہ دل ایک ناپاک اور خراب جسم میں رہے۔ لہٰذا قلب کی اصلاح کے ساتھ ساتھ جسم و جسمانیات کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے کیونکہ قلب سارے جسم کا حکمران ہے۔ حکمران کی اصلاح سارے ملک اور ساری حکومت کی اصلاح ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ (بخاری جلد اول ص)

یعنی جسم انسانی میں ایک ایسا لوتھڑا ہے جب اس کی اصلاح ہو گئی تو سارا جسم اصلاح پذیر ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اُس میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ تو اُس کی وجہ سے سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ وہ لوتھڑا "قلب" ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت مقدسہ میں داخل ہے کہ وہ تہذیب نفس اور ملت کی سیاست کے سوا دوسرے امور میں مشغول نہ ہوں۔ مثلاً وہ ان امور سے کوئی تعرض نہیں کرتے کہ عالم جو فضا میں جو حوادث واقع ہوتے ہیں۔ اُن کے اسباب کیا ہیں۔؟ جیسے بارش سورج گرہن، ہالہ، ژالہ باری، نباتات و حیوانات کے عجائبات، شمس و قمر کی رفتار اور روزانہ کے حوادث و واقعات کے اسباب و وجوہات وغیرہ۔ اور وہ ملوک و سلاطین اور حکومتوں اور مملکتوں کے قصوں اور حالات وغیرہ سے بھی کوئی تعرض نہیں کرتے۔ اگر اُن امور کا کبھی ذکر بھی فرماتے ہیں۔ تو صرف اس قدر جن سے اُن کے کان پہلے ہی آشنا ہوتے

ہیں۔ اور ان کی عقلیں ان سے مانوس ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی بطورِ تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ یعنی خدا کی نعمتوں کی یاد دہانی اور تاریخی واقعات سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کی غرض سے۔ اور پھر وہ بھی محض استطراداً اور تبعاً اور اجمالی طور پر کہ جس کا کچھ مضائقہ بھی نہیں اور پھر وہ استعارات اور مجازات کی شکل میں۔ چنانچہ اسی وجہ سے جب سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لوگوں نے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے اسباب کی بابت سوال کیا تو حق تعالیٰ نے ان کے اس سوال سے اعراض فرماتے ہوئے جواب میں مہینوں کے فوائد بیان فرما دیئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط۔ اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے نئے چاندوں کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے حج کے لئے آلۂ شناخت اوقات ہیں[1]"

نبی اور رسول میں فرق

نبوت کے اور پہلوؤں پر بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "نبی" اور "رسول" کے درمیان فرق کو واضح کر دیا جائے۔ اس سے ایک تو آئندہ صفحات کی بحث زیادہ اچھے طریقہ سے ذہن نشین ہوگی اور دوسرے کئی ایک شکوک حل ہو جائیں گے۔ جو "نبی" اور "رسول" کی بحث میں اکثر پیش آتے ہیں۔

دنیائے اسلام کے مشہور محقق علامہ ابن تیمیہؒ نے "نبی" اور "رسول" کے درمیان فرق کو اپنی کتاب "النبوات" میں وضاحت سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"جو اللہ جل شانہ کی طرف سے صرف امورِ غیبیہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا ہو، ان کو پند و نصائح کرتا ہو اور حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو "وحی" ہوتی ہو وہ "نبی" کہلاتا ہے۔ لیکن ان اوصاف کے ساتھ ساتھ اگر وہ کفار اور نافرمان قوم کی تبلیغ پر بھی مامور ہو تو وہ "رسول" ہوگا[2]"

ایسا ہی ملا علی قاریؒ نے "تحفۃ الاعالی" صہ ۳۴ میں لکھا ہے۔

کچھ حضرات نے لکھا ہے کہ "نبی" وہ ہوتا ہے۔ جو شریعت جدیدہ نہ لے کر آئے اور "رسول" وہ ہوتا ہے جو شریعتِ جدیدہ لے کر آئے، لیکن ان سب تعریفوں پر کئی اشکال وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے "نبی" اور "رسول" کی ایک ایسی جامع اور مانع تعریف کر دی جس سے سب اشکالات حل ہو گئے، آپ فرماتے ہیں:

"رسول اور نبی کی تعریف میں اقوال متعدد ہیں۔ تتبع آیات مختلفہ سے جو بات احقر کے نزدیک

---

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، مبحث ۶ باب ۲ [2] ابن تیمیہؒ: النبوات صہ ۱۷۲-۱۷۳

محقق ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں عموم وخصوص من وجہ ہے۔ "رسول وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدیدہ پہنچا دے خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے جدید ہو جیسے توراۃ وغیرہ یا صرف مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت وہی شریعت ابراہیمیہ تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے ہوا۔ اور خواہ وہ رسول نبی ہو یا نبی نہ ہو۔ جیسے ملائکہ کہ ان پر رسول کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور وہ انبیاء نہیں ہیں یا جیسے انبیاء کے فرستادے اصحاب جیسے سورہ یٰسین میں ہے۔ "اِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ" اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی جیسے اکثر انبیائے بنی اسرائیل کو شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ پس من وجہ وہ عام اور من وجہ یہ عام ہے۔ پس جن آیتوں میں دونوں مجتمع ہیں۔ اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ عام وخاص کا جمع ہونا صحیح ہے۔ اور جس موقع پر دونوں میں تقابل ہوا ہے۔ جیسے مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الخ چونکہ عام وخاص متقابل ہوتے نہیں اس لئے وہاں نبی کو عام نہ لیں گے۔ بلکہ خاص کر لیں گے مبلغ شریعت سابقہ کے ساتھ۔ پس معنی یہ ہوں گے۔ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ صاحب شرع جدید ولا صاحب شرع غیر جدید۔ الخ لیکن چونکہ اب متبادر لفظ رسول سے صاحب نبوۃ ہوتا ہے۔ اس لئے غیر نبی پر اطلاق اس کا بوجہ ایہام کے درست نہیں۔"[1]

نبی چونکہ دنیا کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم الشان اور بڑے فائدے والی خبریں دیتا ہے۔ لہٰذا وہ نبی ہے اور وہ خبریں اپنی طرف سے تو دے ہی نہیں رہا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کی ہوئی خبریں دیتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں وہ پیغام در اصل اللہ جل شانہٗ کا ہوتا ہے اور نبی اس پیغام کو دنیا میں لاتا اور اس کی نشر واشاعت کرتا ہے۔ لہٰذا وہ اس لحاظ سے رسول بھی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں مختلف انبیاءؑ کو کبھی لفظ "رسول" سے پکارا گیا ہے۔ جیسے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ[2] کبھی لفظ "نبی" سے جیسے وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا[3] اور کبھی لفظ رسول اور نبی دونوں سے پکارا گیا ہے۔ جیسے وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا[4] گویا دوسرے لفظوں میں رسول اور نبی کا صحیح مقام سمجھنے کے لئے خود نبی اور رسول کے الفاظ سے زیادہ صحیح لفظ اور کوئی نہیں۔ ان الفاظ سے محبت وعظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں جو ایک کامل سے کامل انسان کیلئے فطرت انسانی میں موجزن ہوتے ہیں۔ اور عبد ومعبود کی وہ ساری حدود بھی محفوظ رہتی ہیں۔ جو کفر وایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں۔ —— (باقی آئندہ)

---

[1] اشرف علی تھانوی: بیان القرآن جلد ۷ صفحہ ۱۱ [2] القرآن: الفتح [3] القرآن: مریم [4] القرآن: مریم

بخاری اور دیگر کتبِ حدیث پر

تمنّا عمادی کے الزامات کی حقیقت

پاکستان میں ریسرچ وتحقیق کے نام سے ایک مخصوص مغرب زدہ طبقہ دشمنِ اسلام مستشرقینِ یورپ شاخت اور گولڈ تسیہر کے نقشِ قدم پر چل کر حدیث اور علوم حدیث کے خلاف تحقیق وتنقید اور فکر ونظر کی آڑ میں سازشوں میں مصروف ہے۔ ان تجدد پسندوں اور نام نہاد محققین کے گروہ میں علامہ تمنا عمادی بھی ہیں جن کا قلم ملتِ مسلمہ کے متفقہ نظریات اور مبادئ دین کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف رہتا ہے۔ پچھلے چند دنوں سے علم حدیث کے امہات کتبِ صحاح ستہ (بخاری مسلم وغیرہ) کے خلاف انکی ہرزہ سرائی اور صحاح ستہ پر تنقید کی آڑ میں سنت رسول سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھوانے کی سعی جاری ہے۔ ملتِ مسلمہ کے معتمد علیہ کتبِ حدیث (جنکی صحت وعظمت مسلمانوں کے اعتقاد میں رچ بس گئی ہے) کے خلاف توہین و دل آزاری کا یہ سلسلہ اس نام نہاد تحقیقی ادارہ کے رسائل وجرائد کے ذریعہ جاری ہے۔ جس پر حکومت کے خزانے سے لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہے ہیں ——— انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ایک ہونہار فاضل مولانا محمد زمان ڈیروی نے اپنے اس مضمون میں عمادی صاحب کی صحاح ستہ پر تنقیدات کا فاضلانہ محاسبہ کیا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ دار العلوم کے ایک قابل فرزند کے قلم سے عصرِ حاضر کے ان مستغربین کی تخریبی کوششوں پر گرفت کی جارہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہم اس سلسلہ میں فضلاء دار العلوم حقانیہ کے بعض دیگر علمی نگارشات بھی شائع کر رہے ہیں۔ مولانا محمد زمان ڈیروی دار العلوم سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد　مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کے درجۂ تخصص میں رہے

اور اب مدرسہ نجم المدارس کلاچی میں مدرس ہیں۔ ہمیں توقع ہے۔ کہ میدانِ تنقید و محاسبہ کے اس نووارد سپاہی کے مضمون میں اگر تحریر و انشاء کے لحاظ سے کچھ بھول نظر آئے تو اس سے صرف نظر کر کے مضمون کی معنویت اور افادیت کی قدر کی جائے گی۔ (ادارہ)

اگر فرصت ملی ہو غیر کی باتوں کے سننے سے
ہماری بات بھی سن لیجئے حضرات تھوڑی سی

جس طرح علماء دین نے ہر دور میں دین کی خدمت کیلئے اپنی جان و مال قربان کر کے انتھک کوششوں کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح دین اور اسلام میں رخنہ انداز طبقہ نے بھی دین کے مٹانے اور الحاد و زندقہ کے پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ——— موجودہ دور میں اس سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ ایسے علماء دین ضرور ہیں جو دین اور اسلام کی حفاظت اور سالمیت کیلئے مخلصانہ جذبہ کے تحت شب و روز اسی کام میں مصروف ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اپنے ناقص علم کی آڑ میں لوگوں کو گمراہ اور دین سے ہٹانے کیلئے مختلف ذرائع سے تخریبی کوشش کر رہے ہیں ——— چنانچہ عصر حاضر کے ایک "محدث" علامہ تمنا عمادی جسکی علم الرجال میں "مہارت" کے بعض بادی النظر ہم خیال لوگ ضرور معترف ہیں۔ اپنے اس علم کے اظہار کیلئے چند مشہور رواۃ جن کی عدم معصومیت ثابت کرنے کیلئے ائمہ جرح و تعدیل نے اظہارِ حقیقت کے طور پر محدثانہ اصطلاحات میں جرح و تعدیل کی تھی۔ آپ نے اس محدثانہ جرح و تنقید کو خودساختہ قواعد کے تحت عیوب سمجھ کر ان کو متہم کر دیا، جس سے غالباً ان کی غرض اصلی مسلمانوں کا کتبِ صحاح سے اعتماد ختم کرنا ہے۔ لیکن تاریخ ماضی کی روشنی میں یقین ہے۔ کہ موصوف تا قیامت اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے ——— چنانچہ آپ نے اپنے اس ارادہ کا اظہار ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں افکار کے عنوان کے تحت ص ۲۷۱ اور ص ۲۷۲ پر ذیل کے الفاظ میں کر دیا:

> "مگر جب صحاح تک ہر کتاب میں ایسی حدیثیں دیکھتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم پر حرف آتا ہو، قرآن مجید کی محفوظیت و لاریبیت پر زد آتی ہو تو میرا خون کھولنے لگتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ان کتابوں کو پھاڑ کر چولہے میں جھونک دوں"۔

اور اسی صفحہ پر چند سطور کے بعد مزید گوہر افشانی فرماتے ہیں:

> "صحاح ستہ وغیرہ کو صرف اہلِ سنت کی کتاب کہنا غلط اور ظلم ہے"۔ (فکر و نظر ص ۲۷۱)

اس کے بعد ص ۲۷۲ پر ایک سند جسکی ابتداء حدثنا ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن المغیرۃ الخ سے

ہوتی ہے۔ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فرمائیے کیا یہ امام بخاری کے بعد ان کے کسی شاگرد نے نہیں لکھا۔ یا امام بخاری خود لکھ رہے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں کذب صریح تک بھی موجود ہے۔ اور تقریباً یہی حال صحیح مسلم کا ہے؟"

محقق موصوف نے اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کیلئے نہ تو کوئی دلیل پیش کی اور نہ کچھ اور کہا۔ صرف یہ ارشاد فرمایا:

"امام بخاری اپنی کتاب کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے تھے، مسودہ ہی چھوڑ کر راہی جنت ہو گئے وہ زمانہ اقبال کا تھا۔ شیعہ سنی کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا۔ قدریہ، جبریہ، خارجی سب فرقے ملے جلے تھے۔ اس لئے ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا۔ خارجیوں کا بھی اور قدریوں اور جبریوں کا بھی"

"پھر محدثین کے بعد انکی کتابیں مسودے کی شکل میں ان کے تلامذہ کے ہاتھوں میں آکر بھی کمی بیشی تصحیف و تحریف سے بچی نہ تھیں۔ صحیح بخاری میں کتنی حدیثیں آپکو ملیں گی۔ جن کو امام بخاری خود اپنی ذات سے روایت کر رہے ہیں۔ مثلاً باب الافک کی داستان والی لمبی حدیث کے بعد ایک مختصر سی حدیث کے بعد یعنی اس باب کی تیسری حدیث پڑھیئے۔ حدثنا ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ الجعفی الخ۔"

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگرچہ اسوقت بہت سے فتنے نمودار ہو چکے ہیں۔ اور بحمد اللہ علماء دین مسند درس و تدریس کے علاوہ تبلیغ تقریر و تحریر کے ذریعہ سے بھی ان کے جوابات دے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم اس وقت درجہ تخصص فی علوم الحدیث میں اسماء الرجال ہی پر کام کر رہے ہیں۔ اسلئے مناسب ہے۔ کہ مولانا موصوف کے اس غلط اتہام کا جواب دیا جائے اور مولانا کے اس کہنے سے کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ ان کتابوں کو پھاڑ کر چولہے میں جھونک دوں" ہمارا خون بھی کھولنے لگتا ہے۔ کہ جن اوراق میں علامہ موصوف نے یہ گوہر افشانی فرمائی ہے، انہیں آگ میں جلا کر اسکی راکھ کو کسی گنگا وجمنا کی نذر کیا جاوے۔ لیکن پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ:

وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن	اور کہہ دے میرے بندوں کو بات وہی کہیں
ان الشیطان ینزغ بینهم ان	جو بہتر ہو شیطان جھگڑپ کرواتا ہے ان میں
الشیطان کان للانسان عدوًا مبینا۔	بیشک شیطان انسان کا دشمن صریح ہے۔ (ترجمہ از شیخ الہند)

اور قولہ تعالیٰ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

ذرا ناظرین کرام بھی ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بخاری جسکی صحت عالم اسلام میں روز روشن کی طرح عیاں و مسلم ہے۔ اور ہر شخص کی زبان پر یہی بات ہے کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد

بخاری شریف ہی کا درجہ ہے۔ اور اسکی صحت پر اتنا بڑا اتفاق کیوں نہ ہو، جس کے معیار صحت کیلئے مصنّف موصوف نے کتنے بڑے سے بڑے اور سخت سے سخت قیودات لگائے ہیں اور اس کے لئے کتنے طویل دعریض سفر طے کئے ہیں ۔۔۔ پھر آپ نے جس اہتمام اور تقویٰ سے اس کی ترتیب و تدوین کی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ اس کی مقبولیت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مصنّف کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن یوسف فربری فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ میں نے اپنی کتاب میں ہر حدیث کے نقل کرنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل پڑھے ہیں ۔۔۔" اور عبدالقدوس بن ہمام سے روایت ہے۔ کہ میں نے بہت سے مشائخ سے یہ بات سنی ہے۔ کہ بخاریؒ نے اپنی کتاب کے تراجم حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک اور منبر کے درمیان لکھے ہیں۔ امامؒ کا معمول تھا کہ ہر ترجمہ الباب کیلئے دو رکعت نفل پڑھا کرتے۔ اب آپ انصاف سے فرمادیں کہ " علامہ " موصوف کے اس کہنے کہ " صحیح بخاری میں کذب صریح تک موجود ہے " کی مثال ایسی ہے کہ روز روشن کو رات کہا جائے ۔۔۔ شیخ سعدیؒ نے خوب فرمایا :

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

بہرحال ہمیں بخاری کی صحت سے کوئی کلام نہیں کہ اس حقیقت سے ہر باخبر اور ذی علم واقف ہے۔ تاہم صحیح بخاری کی عظمت و صحت کے بارہ میں چند اقوال پیش کرنا مناسب ہے ۔۔۔ چنانچہ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ اپنی کتاب شروط الائمۃ الستۃ میں فرماتے ہیں :

فاعلم ان شرط البخاری ومسلم ان یخرج	جاننا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کی شرط یہ ہے
الحدیث المتفق علی ثقۃ نقلتہ الی	کہ وہ اپنی کتاب میں ایسی احادیث نقل کریں
الصحابی المشھور من غیر اختلاف	گے جن پر سب ثقۃ لوگوں کا اتفاق ہو اور
بین الثقات الاثبات ویکون اسنادہ	اسکی سند بالکل متصل ہو یعنی درمیان میں
متصلا غیر مقطوع - الخ	کوئی راوی ساقط نہ ہوا ہو۔

(شروط الائمۃ الستۃ ص۱۰)

علامہ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ مقدمہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں :

وقال ابو احمد بن عدی سمعت	ابو احمد بن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن
الحسن بن الحسین البزاز یقول	الحسین سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے
سمعت ابراھیم بن معقل النسفی یقول	ابراہیم بن معقل سے سنا آپ نے فرمایا

سمعت البخاری یقول ما ادخلت فی کتابی الجامع الاصحیح و ترکت من الصحیح حتی لا یطول ۔ (مقدمہ فتح الباریؒ)

کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی کتاب (صحیح بخاری) میں صرف صحیح احادیث نقل کئے اور بہت سے صحیح احادیث کتاب کے طویل ہونے کے خطرے سے چھوڑ دیئے ۔

اسی طرح ص۴۹۰ پر لمبی سند نقل کر کے لکھتے ہیں :

سمعت ابا زید المروزی یقول کنت نائما بین الرکن والمقام فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال لی یا ابا زید متی تدرس کتاب الشافعی ولا تدرس کتابی فقلت یا رسول اللہ وما کتابک قال جامع محمد بن اسمٰعیل ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے ابو زید مروزی سے سنا وہ فرماتے ہیں ۔ کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا ۔ کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے کہ اے ابو زید آپ کب تک امام شافعیؒ کی کتاب پڑھاتے رہیں گے اور میری کتاب نہیں پڑھاتے ہیں نے عرض کیا حضورؐ آپ کی کتاب کونسی ہے ۔ جواباً فرمایا کہ میری کتاب امام بخاریؒ کی جامع (یعنی صحیح البخاری) ہے ۔

اسی مذکورہ صفحہ پر ذکر کرتے ہیں :

قال عمر بن محمد البجیری سمعت محمد بن اسمٰعیل یقول صنفت کتابی الجامع فی المسجد الحرام وما ادخلت فیہ حدیثا حتی استخرت اللہ تعالیٰ وصلیت رکعتین و تیقنت صحتہ ۔

عمر بن محمد البجیری فرماتے ہیں ۔ کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی جامع کی تصنیف مسجد حرام میں کی ہے ۔ اور میں نے اس میں کوئی حدیث نہیں لکھی ۔ مگر لکھنے سے پہلے میں نے استخارہ کیا اور دو رکعت نفل پڑھے اور مجھے اس کی صحت کا یقین ہو گیا ۔

اسی طرح حافظ ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن المشہر زوری المتوفی ۶۴۳ھ مقدمہ ابن الصلاح ص۸ اور علامہ ابن حجر مقدمہ فتح الباری ص۸ پر نقل کرتے ہیں :

وکتابھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز ۔

امام بخاریؒ اور مسلمؒ کی کتابیں کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہیں ۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اپنی کتاب اختصار علوم الحدیث میں فرماتے ہیں :

فھما اصح کتب الحدیث والبخاری ارجح لانہ

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں ۔ کہ صحیح بخاری اور مسلم

اشترط فی اخراجه الحدیث فی کتابه هذا ان یکون الراوی قد عاصر شیخه وثبت عنده سماعه منه ۔ (اختصار علوم الحدیث ص۲۳)

کتب حدیث میں اصح ہیں۔ البتہ بخاری کا درجہ زیادہ راجح ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی کتاب میں حدیث ذکر کرنے کیلئے یہ شرط لگائی ہے۔ کہ اس راوی کی معاصرت شیخ سے ثابت ہو اور اس سے سماع بھی کیا ہو۔

ان کے علاوہ محمد بن اسمٰعیل الصنعانی متوفی ۱۱۸۲ھ توضیح الافکار ص۴۲ ج۱ پر ذکر کرتے ہیں :

قال زین الدین وعلی کل حال کتابا هما اصح کتب الحدیث ۔

زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔ کہ بہر حال (چاہے بخاری اصح ہو یا مسلم) یہ دونوں کتابیں احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہیں ۔

پھر فرماتے ہیں :

فقد اتفق الکل علی انهما اصح الکتب ۔

یعنی جمہور علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ کتب حدیث میں یہ دو کتابیں زیادہ صحیح ہیں ۔

اسی طرح علامہ سید قاسم الاندجانی اپنی کتاب المصباح پر رقمطراز ہیں :

واتفقت الامة الاسلامية علی ان اصح الکتب بعد کتاب الله صحیح البخاری وصحیح مسلم ۔ (المصباح ص۳)

اور پوری امت اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد سب سے زیادہ صحیح بخاری شریف اور مسلم ہے ۔

اسی طرح علامہ کرمانیؒ شرح بخاری ص۳ پر فرماتے ہیں :

هو اصح الکتب المؤلفة فیه علی الاطلاق والمقبل علیه بالقبول من ائمة الآفاق ۔

فن حدیث میں سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری تصنیف کی گئی ہے اور اسکو آفاق کے ائمہ کی مقبولیت عامہ کا شرف حاصل ہے ۔

اکابر و اساطین ملت کے مذکورہ بالا اقوال و دلائل آپ کے سامنے ہیں۔ ان سے صحیح بخاری کی صحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کتاب کہیں اسکی صحت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اور بعض دلائل تو اس میں نص صریح ہیں۔ کہ اسکی صحت پر امت کا اجماع ہے ۔

(باقی آئندہ)

حوادث و نوازل

بحث و تحیص

بلاسود بنکاری کے بارہ میں سوالنامہ

ذیل میں بلاسود بنکاری کے بارہ میں ایک سوالنامہ اس غرض سے شائع کیا جارہا ہے کہ ملک کے جید علماء اور ارباب تحقیق بھی اس پر غور فرما سکیں۔ خدا کرے ملک کے مشاہیر اہل علم اپنے کثیر مشاغل سے وقت نکال کر اس مسئلہ کی مکمل تنقیح فرمائیں جو کہ ان کا دینی فریضہ ہے۔ بلاسود بنکاری کے مسائل ہر لحاظ سے تاریخ قیمہ ہیں۔ اس سوالنامہ کے جوابات اور متبادل شرعی تجاویز اور مشورے احمد ارشاد صاحب کراچی یا حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے نام بھیج دئے جائیں اور اس کی ایک نقل الحق کو بھی بھیجی جائے۔ تاکہ اس کی اشاعت ہو سکے۔ (ادارہ)

مخدوم مکرم حضرت الشیخ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم، متعنا اللہ بفیوضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــــ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت تمام ہوگا۔

والد ماجد جناب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم آج کل سفر میں ہیں۔ مشاغل سفر کے باعث خود گرامی نامہ تحریر نہ فرما سکے۔ اس لئے ان کے ارشاد پر احقر یہ سعادت حاصل کر رہا ہے۔

کراچی میں ایک غیر سرکاری ادارہ "بلاسود بنکاری" کی غرض سے خاصے بڑے پیمانے پر قائم کیا گیا ہے جس کا نام "کوآپریٹو انویسٹمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن لمیٹڈ" ہے۔ اسکی شاخیں دوسرے شہروں میں بھی کھولی جارہی ہیں۔ منتظمین کا کہنا ہے کہ اس ادارہ میں بنکاری سود کی بجائے خالص مضاربت اور شرکت کے اصول پر ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں منتظمین کی جانب سے ایک استفتاء حضرت والد صاحب مدظلہم کے پاس آیا ہوا ہے جس میں ادارہ کا طریق کار بھی واضح کیا گیا ہے۔ منتظمین کی خواہش ہے کہ اس طریق کار میں اگر کوئی شرعی قباحت ہو تو اسکی نشاندہی فرمادی جائے اور کوئی متبادل صورت ذہن میں ہو تو تحریر فرمادی جائے۔ تاکہ تمام معاملات ضابطۂ شریعت کے مطابق چلائے جاسکیں ـــــــ بحالات موجودہ اس قسم کے ادارہ کی اہمیت وضرورت محتاج بیان نہیں، لیکن مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر حضرت والد صاحب مدظلہم کی خواہش ہے کہ آنمحترم بھی اس سوالنامہ کا جواب تحریر فرمائیں۔ سوالنامہ کی متعدد کاپیاں کرا کے دوسرے اکابر علمائے کرام کی خدمت میں بھی روانہ کی جارہی ہیں، ایک کاپی جوابی لفافہ کے ساتھ آنجناب کی خدمت میں منسلک ہے ـــــــ استفتاء آئے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ اسلئے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آنمحترم اپنے معروف اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر جس قدر جلد ممکن ہو اپنی تحقیق حقیقی سے مستفیض فرمائیں۔ طریق کار میں کوئی ترمیم مزید خیال فرمائیں تو وجہ اللہ وہ بھی تحریر فرمائیں۔

(خادم ناکارہ محمد رفیع عثمانی استاذ دارالعلوم کراچی ۱۳۰)

بلاسود بنکاری

بلاسود بنکاری کے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک بلاسود بنک کوآپریٹو سرمایہ کاری و مالیاتی کارپوریشن لمیٹڈ کے نام سے کراچی میں شروع کیا گیا ہے۔ اس کارپوریشن نے بنکاری کو

اسلامی نظریہ کے تحت چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کارپوریشن اپنے بنکاری کے کاروبار میں نفع ونقصان کے اعتبار سے مضاربت اور شراکت کے اصول پر کام کرے گی جس کا طریق کار حسب ذیل ہوگا۔

۱۔ یہ کارپوریشن تین قسم کے بنک اکاؤنٹ کھولے گی:

۱۔ کرنٹ اکاؤنٹ ۔ ۲۔ سیونگ بنک اکاؤنٹ ۔ ۳۔ سرمایہ کاری اکاؤنٹ

کرنٹ اکاؤنٹ اس اکاؤنٹ میں لوگ حساب کھول کر جب چاہیں رقم جمع کر سکتے ہیں۔ اور جب چاہیں نکال سکتے ہیں۔ یہ چالو اکاؤنٹ ہے۔ اس میں روپیہ رکھنے اور نکالنے کی کوئی قید نہیں۔ اس پر دوسرے بنک کوئی سود عام طور پر نہیں دیتے۔ ہمارا بنک بھی اس کرنٹ اکاؤنٹ پر کوئی نفع نہیں دیگا۔ اور اسطرح کرنٹ اکاؤنٹ والے بھی کارپوریشن کے نفع اور نقصان کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ کارپوریشن انکی پوری رقم کی ذمہ دار ہوگی۔ **سیونگ بنک اکاؤنٹ** یہ عام طور پر ان لوگوں کیلئے ہوتا ہے جو تجارت میں روپیہ نہیں لگاتے، بلکہ اپنی بچت کیلئے بنک کھاتہ کھولتے ہیں، اور عام ضرورت پر اس میں سے روپیہ نکالتے ہیں۔ زیادہ تر یہ حفاظت اور بچت کیلئے ہوتا ہے۔ اس اکاؤنٹ والے بھی کارپوریشن کے نفع و نقصان کے ذمہ دار نہیں ہوں گے اور کارپوریشن ان کی پوری رقم کی ذمہ دار ہوگی ـــــ مگر چونکہ دوسرے بنک سیونگ اکاؤنٹ پر کچھ سود دیتے ہیں۔ اس لئے کیا یہ شرط جائز ہوگی کہ کارپوریشن ان کو اپنے نفع میں سے مناسب حصہ انعام کے طور پر دے؟ سیونگ اکاؤنٹ والے اس انعام کا مطالبہ نہیں کر سکتے بلکہ اس کا دینا یا نہ دینا کارپوریشن کی مرضی پر ہوگا۔ اور اسکی مقدار کارپوریشن کے سالانہ نفع پر منحصر ہوگی ـــ **سرمایہ کاری اکاؤنٹ** سرمایہ کاری اکاؤنٹ میں لوگ معین مدت کے لئے رقم جمع کرائیں گے، تاکہ اسے کارپوریشن کاروبار میں لگا سکے۔ اس اکاؤنٹ والے کارپوریشن کے اس کاروبار میں نفع نقصان کے ذمہ دار ہوں گے جو ان کے سرمایہ کے اشتراک سے کیا ہوگا۔ اور کارپوریشن ان کو اپنے سالانہ منافع میں سے متناسب حصہ دے گی، جس کا طریق کار (۳) اور (۴) میں بیان ہوگا۔

۲۔ کارپوریشن کرنٹ اکاؤنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ والوں کی رقم کا بھی کچھ حصہ اپنی ذمہ داری پر کاروبار میں لگائیگی۔

کیا اس کے لئے ان سے اجازت نامہ کی ضرورت ہے؟

۳۔ کارپوریشن اپنا فالتو سرمایہ لوگوں کے کاروبار میں مضاربت اور شراکت کے اصول پر لگائیگی، اور اسکی رو سے ان کے نفع ونقصان میں متناسب حصہ داری کریگی۔ کارپوریشن اس نفع ونقصان کے حاصل کردہ حصہ میں سے اخراجات نکال کر سرمایہ کاروں کو متناسب طور پر حصہ دے گی۔

۴۔ کارپوریشن کے مضاربت اور شراکت کے سلسلے میں حاصل کردہ منافع میں سے کارپوریشن کے اخراجات نکالکر اور سرمایہ کاروں کو حصہ دینے کے بعد کارپوریشن کچھ رقم محفوظ فنڈ میں رکھے گی، یہ محفوظ فنڈ کارپوریشن کی ملکیت ہوگا۔ یہ محفوظ فنڈ قانونی طور پر رکھنا پڑتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے کارپوریشن کی مضبوطی رہے۔ اس کے بعد جو منافع بچے گا وہ ممبران میں متناسب طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ (باقی صفحہ ۲۱ پر)

واقعات عالم

اخبار و عبر

محمد اکرم رہبر

• "ویٹ نام سے متعلق صدر جانسن کی پالیسی ہزاروں امریکیوں کا گلا کٹوا دے گی۔" (ڈیموکریٹک سینیٹر کا انتباہ)

• "شمالی ویٹ نام پر دو سو تیس امریکی طیاروں نے زبردست بمباری کی۔"

• "ویت کانگ حریت پسندوں نے سائیگان میں امریکی سفارت خانہ بم سے اڑا دیا۔ ۲۰ افراد ہلاک ۱۵ زخمی۔"

• "ویٹ نام میں زہریلی گیس استعمال کرنے کے امریکی اقدام کی شدید مذمت (مسٹر بھٹو کا بیان)

• "صدر جانسن نے ویٹ نام کی جنگ کے لئے مزید ستر کروڑ ڈالر کی منظوری دے دی۔"

یہ اور اسی نوعیت کی سرخیوں والی خبریں آپ آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔ اس وقت آپ کے ذہن میں یہ خیال تھوڑی دیر کیلئے آتا ہے۔ کہ ویٹ نام کونسا ملک ہے؟ کہاں واقع ہے۔؟ ویٹ نام میں لڑائی کن کن ملکوں کے درمیان ہو رہی ہے، اور کیوں ہو رہی ہے؟ —— خبروں میں چونکہ اسکی تفصیل نہیں ہوتی اس لئے آپ تشنہ رہ جاتے ہیں —— آئیے آج ہم آپ کو ویٹ نام کے بارے میں کچھ بتائیں۔

مشرقی پاکستان کے دارالحکومت ڈھاکہ کے جنوب مشرق کی جانب تھائی لینڈ سے ملحقہ ایک خاکنائے سمندر میں دور تک چلی گئی ہے۔ ویٹ نام اس کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے اس معروف ملک ویٹ نام کے شمال میں عوامی جمہوریہ چین جنوب اور مشرق میں بحیرہ چین اور مغرب میں کمبوڈیا اور

لاؤس واقع ہیں۔ کل رقبہ ایک لاکھ ستائیس ہزار مربع میل اور ۱۹۶۱ء کے اندازے کے مطابق آبادی تین کروڑ چھ لاکھ سولہ ہزار ہے۔ چاول بڑی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔ مزید برآں ربڑ اور کوئلہ کافی مقدار میں ہوتا ہے۔ ربڑ اور چاول کے علاوہ خشک مچھلی، کوئلہ، لکڑی، مرچ، مویشی، کھالیں، مکئی، زنک اور ٹین برآمد کئے جاتے ہیں۔ جنوبی علاقے میں کونین، کافی، اور چائے کی کاشت ہوتی ہے۔ جبکہ شمالی علاقے میں کافی، چائے، مکئی، چقندر، تمباکو اور گنا کاشت کیا جاتا ہے۔ جنوبی علاقے (جنوبی ویٹ نام) میں ہلکی صنعتیں اور شمالی علاقے (یعنی شمالی ویٹ نام) میں بھاری صنعتیں قائم ہیں۔

ویٹ نام کو جولائی ۱۹۵۴ء میں معاہدہ جنیوا کی رو سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ شمالی حصے کو شمالی ویٹ نام کہتے ہیں۔ اس پر کمیونسٹوں کی حکومت ہے۔ شمالی ویٹ نام کا سرکاری نام عوامی جمہوریہ ویٹ نام (VIETNAM DANCHUCONG HOA) ہے۔ اس کا صدر مقام ہنوئی ہے۔ جس کا رقبہ باسٹھ ہزار مربع میل اور آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ چوہتر سالہ کمیونسٹ رہنما ہوچی منہ اس کے صدر ہیں۔ اس کے برعکس جنوبی ویٹ نام جس کا سرکاری نام جمہوریہ ویٹ نام (VIETNAM CONG HOA) ہے۔ کا رقبہ پینسٹھ ہزار مربع میل، آبادی ایک کروڑ پینتالیس لاکھ سولہ ہزار اور صدر مقام سائیگان ہے۔ اس کے سربراہ مملکت آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ جس وقت آپ اس مضمون کا مطالعہ کر رہے ہوں جنوبی ویٹ نام کا سربراہ مملکت وہ نہ ہو جو آجکل ہے۔

تاریخ

ویٹ نام کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہاں چینی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ جنہیں ویٹ (VIET) کہتے ہیں۔ جو قریباً اڑھائی ہزار سال قبل وسطی چین سے نقل وطن کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ ۱۱۱ء سے ۹۳۸ء تک ویٹ نام براہ راست چین کے زیر نگین رہا اور بعد ازاں چین کا باجگزار بن گیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ۱۲۸۸ء میں ویٹ نام کی فوجوں نے قبلائی خاں کی فوجوں کو باش ڈانگ گیانگ کے علاقے میں شکست دی تھی۔ سولھویں صدی میں جب یورپی اقوام خصوصاً انگریزوں، پرتگیزوں، اور فرانسیسیوں نے مشرقی ممالک میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کی خاطر ان سے تجارتی تعلقات استوار کرنے شروع کئے۔ تو اسی صدی کے آخری برسوں میں فرانسیسی اور پرتگیزی ویٹ نام پہنچ گئے۔ ۱۸۶۳ء میں فرانس نے کوچین چائنا پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۸۸۴ء میں فرانس نے ویٹ نام کو اپنا زیر تحفظ علاقہ بنا لیا۔ ۱۸۸۷ء میں فرانس نے جب ویٹ نام، کمبوڈیا اور لاؤس کو ملا کر ہند چینی کا نام دیا تو اس کا دارالحکومت سائیگان میں قائم کیا گیا۔ حریت پسندوں نے فرانس کے اقتدار اور قبضے کی اول روز سے ہی مخالفت شروع کر دی تھی۔ کئی بار حریت پسندوں اور حکمران فرانسیسیوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ حریت پسندوں نے کئی بار فرانسیسی مشنریوں کو ہلاک کیا اور

اور کبھی اطمینان سے انہیں حکومت کرنے کا موقع نہ دیا۔

زمانہ حال دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو ۱۹۴۰ء میں ویٹ نام پر جاپان نے قبضہ کر لیا۔ اور یہ ملایا پر حملے کیلئے فوجی اڈے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اسی دوران میں قوم پرستوں نے اپنے وسائل اور قوتوں کو مجتمع کر کے ویٹ منہ لیگ (آزادی لیگ) کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کے سربراہ کیونسٹ گوریلا لیڈر ہوچی منہ تھے۔ جاپان نے صوبہ انام کے سابق حکمران باؤ ڈائی (BAO DAI) کی سربراہی میں جو کٹھ پتلی حکومت ویٹ نام میں قائم کی تھی۔ اگست ۱۹۴۵ء میں ویٹ منہ لیگ کے حریت پسندوں نے اسے ختم کر دیا۔ فرانس نے کیونسٹ فوجوں کا مقابلہ کرنے اور ان کی پیش قدمی روکنے کے لئے ۱۹۴۵ء میں فرانسیسی (غیر ملکی) کور کے نام سے فوج قائم کی جو ۱۹۵۴ء تک کیونسٹ گوریلوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ مگر اسے بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس لڑائی میں فرانس کی گیارہ ارب ڈالر کی کثیر رقم خرچ ہوئی۔ مئی ۱۹۵۴ء میں ڈین بین پھو کے مقام پر فرانس کو قطعی شکست ہوئی۔ عوامی جمہوریہ چین ویٹ کانگ گوریلوں کا حامی تھا۔ اکیس جولائی ۱۹۵۴ء کو جنیوا میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت ویٹ نام کو دو حصوں میں عارضی طور پر تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دریائے بن ہائی (BEN HAI) سرحد قرار پایا۔ معاہدہ کی رو سے شمالی ویٹ نام سے فرانسیسی فوجیں مکمل طور پر نکل گئیں۔ اور یہ طے پایا کہ ویٹ نام کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے مستقبل قریب میں رائے شماری کرائی جائے گی۔ مگر ابھی تک رائے شماری نہیں کرائی جا سکی۔

۱۹۵۵ء میں جنوبی ویٹ نام میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس دوران میں شمالی ویٹ نام کے حریت پسندوں کی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ خیال تھا کہ آزادی کے بعد شمالی ویٹ نام کے علاوہ جنوبی ویٹ نام میں بھی امن و آشتی کا دور دورہ ہوگا، مگر حالات اور واقعات نے اُسے غلط ثابت کر دیا۔ جنوبی ویٹ نام کے باشندوں کی اکثریت بدھ مت کی پیرو ہے۔ ان کی شورشوں کا سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ اس کے بعد طلباء نے ہنگامے شروع کر دئیے۔ آئے دن کی شورشوں سے صدر نگو ڈین ڈیم تنگ آ گئے۔ ادھر امریکہ جو کوریا کی جنگ میں شکست کھا چکا تھا، فوراً جنوبی ویٹ نام میں مداخلت کا بہانہ ڈھونڈھ کر آ داخل ہوا۔ صدر نگو ڈین ڈیم کی نو سالہ حکومت میں امریکیوں کی مداخلت میں زبردست اضافہ ہوا۔ جنوبی ویٹ نام کی فوج ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ امریکہ نے ان کے لئے "فوجی مشیر" دھڑا دھڑ بھیجنے شروع کر دئیے۔ اب تک پندرہ ہزار کے قریب امریکی "فوجی مشیر" جنوبی ویٹ نام آ چکے ہیں۔ گذشتہ چار سال سے ویٹ کانگ حریت پسندوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔

اوپر امریکہ نے شمالی ویٹ نام میں ویٹ کانگ حریت پسندوں کے اڈوں اور ٹھکانوں کو بمباری کا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ ویٹ کانگ گوریلے بھی کم نہیں وہ گذشتہ ڈیڑھ سال کے دوران امریکہ کے قریباً چند سو طیاروں کو مار گرا چکے ہیں۔ سائیگان میں امریکی سفارتخانے کی عمارت کو پچھلے مارچ کے آخر میں تباہ کیا گیا تھا جس سے بیس افراد ہلاک اور ڈیڑھ سو سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ مزید برآں وہ متعدد امریکیوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ امریکی اسلحہ اور ہتھیاروں کا بہت نقصان ہو چکا ہے۔ حریت پسند جنوبی ویٹ نام میں اہم پل، سڑکیں وغیرہ بموں سے اڑا چکے ہیں۔ گذشتہ دو سال سے دونوں جانب سے لڑائی کا سلسلہ تیز ہو گیا ہے۔ امریکہ نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس نے ویٹ کانگ گوریلوں کے قبضے سے جو اسلحہ چھینا ہے۔ اس پر چین کی مہریں لگی ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ چین ویٹ کانگ گوریلوں کی امداد کر رہا ہے۔

پونے تین سال قبل صدر نگوڈین ڈیم کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تھا۔ اس کے بعد اس پر آشوب اور متذبذب سرزمین کو قرار نہیں آیا۔ امریکہ کی امداد سے جنرل کھان برسر اقتدار آئے تھے۔ لیکن ان کے عہد حکومت میں طلباء اور بودھ بھکشوؤں کے مظاہروں کا سلسلہ بہت تیز ہو گیا۔ کئی بار لڑائی ہوئی۔ سائیگان کے بازاروں اور گلیوں میں کئی بار خانہ جنگی ہوئی۔ اور پانچ چھ مرتبہ جنرل کھان اقتدار سے الگ ہوتے ہوتے بچے۔ اس سال کے اوائل میں بالآخر ان کا مخالف گروپ برسر اقتدار آگیا۔

امریکہ کی فراخدلانہ فوجی امداد کے باوجود جنوبی ویٹ نام کے عوام امریکہ سے مطمئن نہیں کیونکہ وہ اپنے ہی ملک کے باشندوں کے خلاف لڑنے کو دل سے آمادہ نہیں۔ کیونکہ وہ کل تک انہی کے ساتھ تھے امریکہ بظاہر کمیونسٹ جارحیت کا مقابلہ کرنے کیلئے ویٹ نام کے میدان جنگ میں اترا ہے۔ لیکن جنوبی ویٹ کے عوام اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ وہ فوج میں شامل ہونے سے حتی الامکان کتراتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ملک کو روزانہ قریباً ایک کروڑ ڈالر کی امداد دے رہا ہے۔ جنوبی ویٹ نام کے کسان اور عام مزدوروں کا کام کاج کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض رات کو ویٹ کانگ گوریلوں کے ساتھ آزادی کی سرگرمیوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے۔ کہ جنوبی ویٹ نام کے رہبر امریکیوں کو غلط راستے پر ڈال گئے اور خود فرار ہو گئے۔ کیونکہ ان کے دل ویٹ کانگ حریت پسندوں کے ساتھ ہیں۔

ویٹ نام میں امریکی مداخلت کی قریباً تمام افریقی اور ایشیائی ممالک مخالفت اور مذمت کر چکے ہیں۔ خود امریکی عوام ویٹ نام میں اپنی حکومت کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے اور وہ مختلف موقعوں پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ بیشتر سیاسی رہنما اور عوامی لیڈر بھی اس سلسلہ میں حکومت کے مخالف ہیں۔ ایک ڈیموکریٹک سینیٹر مسٹر وائن مارس تو یہاں تک کہہ چکے ہیں۔ اگر ویٹ نام سے متعلق امریکہ کی موجودہ پالیسی

جاری رہی تو لاکھوں امریکی نوجوانوں کو جنوبی ویٹ نام کی امداد کیلئے سائیگان جانا پڑے گا۔ اور ان میں سے ہزاروں کی نعشیں ہی واپس وطن آئیں گی۔ یہ انتباہ بہت شدید ہے۔ ری پبلکن پارٹی سے تعلق رکھنے والے ایک اور سینیٹر مسٹر لیسنے نے ویٹ نام میں لڑائی بند کرنے اور معاہدہ جنیوا کے مطابق ملک میں انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ ویٹ نام میں "قیام امن" اور مجاہدوں کی سرگرمیوں کے انسداد کے لئے امریکی عوام کو بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی حکومت کے مخالف ہیں۔ امریکی عوام اس بات سے بھی آگاہ ہیں۔ کہ جغرافیائی حالات کی وجہ سے امریکیوں کے لئے ویٹ نام میں کامیابی سے جنگ کرنا ناممکن ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ امریکی فوجیوں نے دور کسی جنگل میں اپنے کیمپ کے قریب کافی محنت سے تالاب تیار کر کے اس میں کئی ہفتوں کے لئے پینے کا پانی جمع کر لیا مگر جنگل میں سے رات کے وقت ہاتھی آئے اور یہ سارا پانی چند منٹ میں پی کر بھاگ گئے۔ امریکی عوام ان باتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔

کیا امریکہ جنگ جیت جائے گا؟

ہمارے ذہن میں یہ سوال اکثر آتا ہے۔ کہ کیا امریکہ ویٹ نام کی جنگ جیت لے گا۔ یا حریت پسند ویٹ کانگ (کمیونسٹ) سارے ویٹ نام پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ــــ؟

آئیے! اس کا جائزہ لینے سے قبل ذرا پس منظر پر بھی نظر ڈالیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ کوریا کی جنگ میں امریکہ کو منہ کی کھانی پڑی تھی اور امریکی حکام ویٹ نام کو دوسرا کوریا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قریباً ۵ سال قبل جبکہ صدر نگوڈین ڈیم کی حکومت قائم تھی۔ امریکہ کے فوجی امور کے ماہر اور سائیگان میں امریکی سفیر جنرل میکسویل ٹیلر نے صدر کینیڈی (آنجہانی) کو یہ تجویز پیش کی تھی۔ کہ ویٹ نام میں امریکی مداخلت میں وسعت پیدا کرنے کیلئے جنوبی ویٹ نام کو زیادہ اسلحہ و ہتھیار، زیادہ روپیہ اور کچھ امریکی فوجی مشیر دیئے جائیں جن کی مدد سے جنوبی ویٹ نام کی حکومت اپنی ایک مضبوط فوج قائم کرے جو ویٹ کانگ گوریلوں کی بغاوت کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ دو سال قبل تک امریکہ کے وزیر دفاع کی یہی پالیسی رہی۔ لیکن اس تجویز پر عملاً کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ امریکہ ابھی تک جنوبی ویٹ نام کے کسانوں اور دیہاتیوں کی امداد و حمایت حاصل نہیں کر سکا۔ حالانکہ ہر ملک کی فوج میں یہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں۔ ویٹ کانگ گوریلے ملک کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ مزید برآں انکی شکلیں چال ڈھال اور زبان و ثقافت قریباً وہی ہے جو جنوبی ویٹ نام کے باشندوں کی ہے۔ اس لئے وہ بڑی آسانی سے جنوبی ویٹ نام کے ہر حصے میں تخریبی سرگرمیاں بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ وہ آئے دن کوئی نہ کوئی اہم پل، ریل کی پٹڑی یا سڑک بم سے اڑا دیتے ہیں۔ جنوبی ویٹ نام کی فوجیں ویٹ کانگ گوریلوں

کے خلاف لڑنے کو تیار نہیں۔ مشہور امریکی مبصر والٹر لپ مین کا خیال ہے۔ کہ امریکی فوجی اڈوں، عمارتوں اور ہوائی اڈوں کی حفاظت کے لئے بھی جنوبی ویٹ نام کی فوج سے کوئی آدمی نہ لیا جائے۔ کوئی ڈیڑھ سال پہلے تک تو یہ حالت تھی کہ جنوبی ویٹ نام امریکہ کی مدد سے حریت پسند ویٹ کانگ گوریلوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ لیکن اب امریکہ حریت پسندوں کے خلاف لڑ رہا ہے۔ حقیقتاً جنوبی ویٹ نام خاموش تماشائی بن کر دیکھنا چاہتا ہے۔ کہ امریکہ یہ لڑائی کس طرح سے جیت جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ خواہ کتنی بار طیاروں سے شمالی ویٹ نام اور حریت پسندوں پر بمباری کرے وہ جیت نہیں سکتا۔ تمام بڑی بڑی جنگیں، خصوصاً خانہ جنگیاں دست بدست لڑائی کے ذریعے ہی جیتی گئی ہیں۔ ویٹ کانگ لڑائی کے وقت گوریلوں کا سا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ اور گوریلا جنگ جیتنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ دشمن کے مقابلے میں فوج کی تعداد بیس سے پچاس گنا تک ہو۔ اس وقت جنوبی ویٹ نام کی فوج کی تعداد گوریلوں کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ ہے۔ اس صورت میں یہی ممکن ہے۔ کہ امریکہ سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں فوجی ویٹ نام بھیجے جائیں جو دست بدست لڑائی کریں۔ اور خدا جانے یہ جنگ کب ختم ہو۔ جنگ جیتنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ امریکہ شمالی ویٹ نام کے شہروں پر بمباری شروع کر دے (جیسا کہ اس کا آغاز ہو چکا ہے۔) اس صورت میں روس اور چین کھلم کھلا حریت پسندوں کا ساتھ دیں گے۔ دنیا کے تمام ممالک امریکہ کے اس اقدام کی شدید مذمت کر رہے ہیں۔ امریکہ کے لئے ایک دو سال کے اندر ہی حریت پسندوں کے خلاف مزید لڑائی جاری رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ اور حریت پسند گوریلے یقیناً جیت جائیں گے۔ ویٹ نام کے بحران کے حل کی پُرامن صورت یہی ہے کہ گول میز کانفرنس ہو جس میں شمالی اور جنوبی ویٹ نام کے مساوی نمائندے شریک ہوں اور وہ آپس میں مل بیٹھ کر کوئی حل ڈھونڈ لیں ــــــــ (بشکریہ سیارہ ڈائجسٹ)

نتیجہ امتحان سالانہ (وفاق المدارس العربیہ) طلبہ دورۂ حدیث شریف دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پچھلے سال دار العلوم کے دورۂ حدیث میں ۶۳ طلبہ شریک ہوئے اور وفاق المدارس العربیہ کے زیر نگرانی سالانہ امتحان دیا۔ وفاق المدارس کیطرف سے نتائج کا اعلان کر دیا گیا ہے جس کے مطابق حسب ذیل ۵۶ طلبہ کامیاب اور باقی سات طلبہ فیل ہوئے نتیجہ ۸۸ فی صد رہا۔ جو قابل اطمینان ہے پورے ملک میں وفاق کے سالانہ امتحانات میں ۱۲۵ فضلاء نے شرکت کی جس میں تقریباً نصف تعداد دار العلوم حقانیہ کی ہے ذیل میں کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلبہ کے نام، رول نمبر، درجہ کامیابی درج ہے۔ دار العلوم اور الحق ان حضرات کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہے۔

(ناظم دفتر اہتمام)

رول نمبر	نام طالب علم مع ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ	رول نمبر	نام طالب علم مع ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ
۷۹	محمد سراج الدین ولد میر عزت شاہ	۴۱۳	علیا	۹۲	محمد جان ولد مولوی امان محمد	۳۰۹	وسطیٰ
۱۰۱	لطیف الرحمٰن ولد مولانا نور محمد	۴۰۹	〃	۸۵	عبدالحکیم ولد خدائی نظر	۳۰۸	〃
۹۰	نور حسین شاہ ولد معین شاہ	۴۰۲	〃	۵۷	برہان الدین ولد مولوی فضل ہادی	۳۰۴	〃
۶۸	عبدالرحیم ولد رحمت اللہ	۳۹۶	〃	۱۹۳	عنایت اللہ ولد عبدالحکیم	۳۰۱	〃
۱۰۵	احمد نور ولد عبدالخالق	۳۹۳	〃	۱۱۲	عبدالبر ولد مولانا عبدالشکور	۲۹۸	ادنیٰ
۱۹۳	میاں گل ولد پائندہ محمد	۳۹۰	〃	۱۱۳	عثمان غنی ولد عبدالغنی	۲۹۴	〃
۸۶	عبدالوہاب ولد محمد اکرام	۳۸۲	〃	۸۲	محمد عبدالواحد ولد محمد علیم	۲۹۲	〃
۹۱	عبدالجلیل ولد ملک ملا	۳۷۳	〃	۹۶	سیال خان ولد محمد امین	۲۹۱	〃
۱۰۸	عبدالصمد ولد مولانا محمد گل	۳۵۸	وسطیٰ	۸۱	شیخ شہاب الدین ولد قاضی محمد جان	۲۹۱	〃
۱۰۶	رسول شاہ ولد غلام جان	۳۵۷	〃	۷۸	اورنگ زیب ولد مولانا سید نور	۲۸۷	〃
۶۷	حفیظ الحق ولد عبدالحکیم	۳۴۹	〃	۸۷	محمد غلام ولد خیال گل	۲۸۵	〃
۸۹	بہادر رشید ولد مولوی خان شیر	۳۴۸	〃	۹۷	عبدالرب ولد مولوی مسکین	۲۸۲	〃
۱۹۴	محمد رضا ولد اکبر شاہ	۳۴۷	〃	۷۳	سیف الرحمٰن ولد عبدالقیوم	۲۸۱	〃
۱۰۰	عبدالخالق ولد نور الحق	۳۴۶	〃	۸۸	معراج گل ولد حیا گل	۲۸۱	〃
۱۰۲	گل محمد ولد مولانا گل محمد	۳۴۱	〃	۶۹	حسین احمد ولد مولانا حسن المآب	۲۸۰	〃
۶۶	سلطان محمد ولد غلام محمد	۳۳۹	〃	۷۴	عبدالستار ولد گل حبیب	۲۷۹	〃
۹۵	عبیداللہ شاہ ولد کلیم اللہ شاہ	۳۳۷	〃	۷۱	غلام محمد ولد زمان شاہ	۲۷۴	〃
۹۸	عبدالسلام ولد مولانا سنگ پارس	۳۳۶	〃	۱۱۴	میاں گل داد ولد زرداد	۲۶۹	〃
۱۰۴	فرید الدین ولد ملا محمد حسین	۳۳۵	〃	۹۳	عبدالودود ولد شاکر اللہ	۲۶۶	〃
۵۹	نور البصر ولد قاضی محب اللہ	۳۳۴	〃	۹۶	محمد فائق ولد عبدالغنی	۲۶۶	〃
۶۱	محمد غلام یحییٰ ولد غلام محمد	۳۳۴	〃	۵۶	فضل کریم ولد مولوی فضل رحیم	۲۶۲	〃
۸۳	لطف اللہ ولد محمد ظریف خان	۳۳۰	〃	۱۱۰	حافظ عنایت الرحمٰن ولد مولانا عبدالحنان	۲۵۴	〃
۸۰	محمد سعید ولد فضل نعیم	۳۲۹	〃	۷۴	عبدالخالق ولد عبدالرحمان	۲۵۱	〃
۱۰۳	امین اللہ ولد محمد علی خان	۳۲۶	〃	۱۰۹	بشیر احمد ولد مولوی عبدالجبار	۲۵۱	〃
۶۰	محمد حسین ولد محمد حسن	۳۲۲	〃	۷۰	حافظ عبدالرحیم ولد عبدالرحمٰن	۲۴۶	〃
۱۰۷	عبدالرحیم شاہ ولد مہربان شاہ	۳۱۷	〃	۹۳	عبدالمنان عرف گل تازہ خان ولد عبدالمجید	۲۴۶	〃
۷۴	محمد اسحٰق ولد مولوی عبدالحلیم	۳۱۳	〃	۹۹	محمد شفیق الرحمٰن مولانا حبیب الرحمٰن	۲۴۴	〃
۸۴	عمر خان ولد شاہنواز خان	۳۱۱	〃	۶۲	حافظ فضل معبود ولد مولانا محمد شعیب	۲۴۳	〃

تبصرۂ کتب

مطبوعات انجمن خدام الدین نوشہرہ

انجمن خدام الدین لاہور کی نوشہرہ شاخ کی طرف سے ماہ بماہ اسلامی احکام و مسائل پر مشتمل بانی انجمن حضرت مولانا احمد علی لاہوری مرحوم اور دیگر اکابر کے چھوٹے چھوٹے جامع اور مفید رسائل کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اب تک دس رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ لادینی اور دین سے غفلت کی اس فضا میں انجمن خدام الدین نوشہرہ کی تبلیغی مساعی ہر طرح قابل تحسین ہیں ۔۔۔۔ انجمن کے زیر اہتمام نوشہرہ میں درس قرآن، مجالس ذکر وغیرہ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ انجمن کے مساعی کو مثمر برکات بنائے اور اراکین انجمن کو مزید اخلاص اور جوش عمل سے نوازے۔ ان رسائل کیلئے مولانا احمد عبدالرحمٰن الصدیقی ناظم انجمن سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے ۔۔۔۔۔۔

موضح القرآت فی السبع المتواترات

قیمت تین روپے

سوانح قراءِ سبعہ

قیمت پچاس پیسے

تالیف مولانا قاری حافظ محمد حبیب اللہ خان صاحب۔

ملنے کا پتہ

مدرسہ تجوید القرآن فاروقی مسجد میری ویدر ٹاور کراچی ۲

کتاب کی تقریظ میں مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں۔

" اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں اور لہجوں کے پیش نظر آسانی کی خاطر سات طریقوں سے قرآن مجید پڑھنے کی گنجائش رکھی تھی۔ ان میں سے ایک خاص طریقہ کو باقی رکھا۔ اور اس کے تلفظ کی حفاظت سات قراء کرام سے کرائی جو آج دنیا میں قرأت سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی جو سات نقلیں سات ممالک اسلامیہ کو بھیجی تھیں۔ وہی آج دنیا میں سات قرائتیں ہوگئیں اور ان قرائتوں کے اختلافات اور تفصیلات نے مستقل علم کی صورت اختیار کی فاضل مؤلف نے ایک جامع آسان فہم سلیس اردو میں اس کتاب کے ذریعہ اس علم کو مسلمانوں تک عام فرمایا۔ اور اس کی تعلیم و فہم کیلئے علم تجوید کے ضروری قواعد و اصطلاحات ان کی تشریحات قراء سبعہ کے حالات اور ان کے اسماء کے رموز اور ان کے رواۃ پر ان کے رموز اور خاص خاص آیات میں جائز و ناجائز وجوہ کی تفصیلات اور جدولیں نقشے سب ہی تحریر فرمادی ہیں " زیر نظر حصہ کتاب قرآن کریم کے ایک پارہ پر مشتمل ہے۔ اور بقیہ پاروں کی تکمیل کا پروگرام ہے۔ مؤلف نے قرآن مجید کی ایک اہم علم تجوید و قرأت پر قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت جلیلہ کو قبول اور اسکی تکمیل کی توفیق سے انہیں نوازے۔ کتاب کا مطالعہ اہل علم خصوصاً حفاظ و قراء و شائقین تجوید کیلئے بہت ہم مفید ہے۔ دوسرے رسالہ سوانح قراء سبعہ میں سات قراء کے احوال و سوانح پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب پر مشاہیر علماء و قراء کی تقریظیں ثبت ہیں۔

انگلینڈ میں الحق کی رونمائی

[illegible]ب سے پہلے احقر اپنا تعارف کرانا چاہتا ہے۔ بندہ ناچیز حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کا خادم اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری و مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی کا پیر بھائی ہے۔ ہم نے یہاں انگلستان میں ایک تبلیغی ادارہ انٹرنیشنل تبلیغی اسلامی مشن کے نام سے قائم کیا ہوا ہے۔ جس کا مقصد دین کا پیغام تمام دنیا میں پہنچانا اور تحفظ ناموس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس میں تحفظ ختم نبوت بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ تبلیغ دین، محبت رسول، عبادت، نماز ذکر اللہ وغیرہ کی اہمیت سے بھی روشناس کرانا ہمارے مشن کے مقاصد میں ہے۔ ہم انگلستان سے ایک پرچہ الحق یا صراط مستقیم کے نام سے نکالنا چاہتے تھے۔ کہ خدام الدین میں آپ کے رسالہ الحق کا اعلان نظر سے گزرا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ بجائے اپنے پرچہ کے آپ کے الحق کی اشاعت کا یہاں انتظام کریں۔ جس کے ذریعہ اکابر اور آپ بزرگوں کے علوم اور مضامین پڑھنے کا موقعہ ہمیں مل جائے گا۔ اگر آپ تعاون کریں تو ہم آپ کے رسالہ کی ...... کاپیاں ماہوار خریدنے کو تیار ہیں۔ انشاء اللہ اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور انگلستان کی تاریکی میں الحق اسلامی زندگی کا اولین ترجمان ہوگا۔ جس میں حدیث نبوی اور قرآن مجید کی روشنی ہوگی —— آپ کی اجازت کے مطابق ہم نے یہاں کے اخبارات میں شائع کرا دیا ہے۔ کہ ہم ماہنامہ الحق (زیر سرپرستی حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی) تبلیغی اسلامی مشن کا ترجمان شائع کرا رہے ہیں۔ سالانہ چندہ اور پوری تفصیل ہم نے لکھ دی ہے۔ (اور اخبارات کے کٹنگ ملفوف ہیں۔) آپ اکٹھا بنڈل بھیج دیا کریں، لوگوں تک پہنچانے کا انتظام ہمارے ذمہ ہوگا۔ جس پر سالانہ چندہ کے علاوہ ۵ پنس مزید خرچ آئے گا۔

اس کے علاوہ ہمارے مشن کیطرف سے ایک [illegible]عت حج بیت اللہ کی غرض سے جا رہی ہے۔ ۳۰ مارچ کو مکہ معظمہ اور ۱۱ اپریل کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں [illegible] اجتماع کریں گے۔ اور وہاں سے چند جماعتیں قائم کرکے دوسرے ممالک میں بھیجی جائیں گی۔ یہاں [illegible] ہم جو مضامین اور حالات بھیجیں امید ہے انہیں آپ الحق میں شائع کرتے رہیں گے۔

(ایس۔ اے۔ کے۔ راؤ۔ انگلینڈ)

اگر آنجناب کی مساعی سے الحق کے ذریعہ قرآن و سنت کی روشنی وہاں پھیل سکتی ہے۔ تو یہ خداوند کریم کا بہت بڑا فضل و کرم اور الحق کی خوش قسمتی ہوگی۔ اس راہ میں الحق ہر ممکنہ تعاون اور قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مبارک مساعی کو مشکور بنا دے اور ہمت، حوصلہ، اخلاص اور جوش عمل سے نوازے کہ یورپ کی تاریکیوں میں آپ جیسے دردمندان اسلام کا وجود مغتنمات میں سے ہے۔ (ادارۂ الحق)

نوشتہ: خلائی کارناموں کی شرعی حیثیت کے بارہ میں مولانا شمس الحق افغانی کی ایک اہم تحریر اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔